

تبلیغ اسلام

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ
امام اہلسنت

ترجمہ و تصحیح: مولانا
محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ

مکتبہ اسلامیہ

۱۴۳۵ھ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلۃ) "قرآن کریم"

واللّٰہی نفسی بسیدہ لتأمرن بالمعروف وتنهعن عن المنکر (الربیع)

ۛ

حق نے کروڑا لی ہیں دوہری خدمتیں تیرے پیر و
خود تڑپنا ہی نہیں آدموں کو تڑپانا بھی ہے!

تبلیغ اسلام

جس میں قرآن کریم اور حدیث شریف کے روشن حوالوں سے ہر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت، احسان،
اسلام، طریقہ تبلیغ، انتساب، مروت کی حق گوئی، جماعتی زندگی کا مفہوم، مبلغین کا رتبہ، ہستی باری تعالیٰ کا عقائد و فضلی
ثبوت، ایمان مفصل کی ضروری تشریح و عرض رسالت، انصاف صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اور شان اور رتبہ سابقہ
سے آپ کے حق میں بشارت، اور آپ کے پہلے دنیا کی حالت اور اس سلسلہ کے کئی دیگر اہم مسائل و احکام نہایت
سلیس ہوئے رنگ میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب خالص تبلیغی اور اصلاحی جذبہ سے لکھی گئی ہے۔

وَاللّٰهُ يَفْعَلُ الْخَيْرَ وَهُوَ يُضَيِّقُ السَّبِيلَ

احقر

ابوالزہراء محمد مسرف از خلیب جامع گلشن

انتساب

راقم اشیم اپنی اس کتاب کو جمعیت علماء اسلام کے ان اکابر کے نام پر منسوب کرتا ہے جن کے امیر اس وقت حضرت مولانا حافظ الحدیث محمد عبداللہ صاحب در خواستی دامت برکاتہم ہیں۔ یہ وہ گروہ ہے جس کے عقائد و اعمال عین اسلام کے مطابق ہیں۔ اور اپنی دانست کے مطابق یہی وہ طائفہ ہے۔

جو

قرآن و سنت کا داعی، فقہ و تصوف کا مبلغ اور علوم اسلامیہ کا علمبردار ہے اور علماء و علما، تدریسا و تالیفا، تقریراً و تحریراً ہر لحاظ سے حق کی صد کو بلند کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے اور دینی تفوق کے علاوہ بفضلہ تعالیٰ سیاسی شعور بھی علی وجہ الایم رکھتا ہے اور بقدر وسعت تبلیغ دین کا فریضہ ادا کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اور ترقی عطا فرمائے کیونکہ

توڑا میں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں

الجواز احمد

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	تبلیغ اسلام
مصنف	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سر فر از خان صفدر
طبع ششم	جنوری ۲۰۰۵ء
تعداد	گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت	۳۰ روپے
مطبع	مکی مدنی پرنٹرز لاہور
ناشر	مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

- ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی نمبر ۱۶
- ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
- ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
- ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی
- ☆ اسلامی کتب خانہ ایٹ آباد
- ☆ مکتبہ صدیقیہ حضروانک
- ☆ مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۹	جبرائیل احسن	۱۵	۷	۱	پیش لفظ
۵۲	فریق مخالف کے معبودوں کو	۱۶	۱۲	۲	خیر الائم
۵۴	سب دشمن نہ کرنا چاہیے	۱۶	۱۶	۳	صداقت اسلام
۵۴	نہی کرو سختی نہ کرو	۱۷	۱۷	۴	غیر مسلموں کا اقرار
۵۷	آخری مرحلہ بائبل کاٹ	۱۸	۲۴	۵	مبلغ کا رتبہ
۶۲	انجام انکار	۱۹	۲۶	۶	نقصات و کاہلی
۶۵	ایمان کے بغیر کوئی عمل	۲۰	۲۷	۷	خود فتنہ
۶۸	قبول نہیں ہوتا	۲۱	۲۹	۸	اس امت کی حق گوئی
۷۰	ایمان باللہ	۲۱	۳۲	۹	یہ امت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی
۷۲	ہر حق باری تعالیٰ کا	۲۲	۳۳	۱۰	جہاد حق زندگی کا مفہوم اور اس کی اہمیت
۷۴	عظمتی ثروت	۲۲	۳۶	۱۱	امت مسلمہ کی کامیابی کا راز
۷۶	نقلی ثروت	۲۳	۳۷	۱۲	طریقہ تبلیغ
۷۹	رب قدر کا انکار کیونکر؟	۲۴	۴۰	۱۳	الحکمت
۸۱	رہنما حق کی تلاش ایک فطری امر ہے	۲۵	۴۸	۱۴	الموعظۃ المحمّدیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَارْسَلَ رَسُولَهُ مُبَشِّرًا
مُنذِرًا وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابًا وَجَعَلَ مِنْ هَذِهِ النَّاسِ خُصُوصًا سَيِّدَ الرُّسُلِ
وَحَاتَمَ الدِّينِيَّاءِ فَصَلَوْتُ اللَّهُ وَسَلَّيْتُ لَهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى مَنْ
يُتَّبِعُهُمْ بِالْحُسْنِ الَّذِينَ هُمْ شُهِدُوا لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ وَالَّذِينَ
بَدَلُوا الْوَسْطَ فِي إِقَامَةِ الدِّينِ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُتَّبِعِيهِمُ الرِّمِيِّ يَا
أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ○

پیش لفظ

اسلام ایک ابرکرم تھا جو عرب کی ایک واہی غیر ذی زرع سے اُلا اور
شمال و جنوب میں موجیں مارتا مشرق و مغرب کے دُور اُفتادہ علاقوں پر فیض و عطا
کی بارش برساتا، تہذیب و تمدن کے جواہر لٹانا اور علم و حکمت کے خوشنما پھول
کھلاتا چلا گیا۔ تمام قوموں کی قدیم تہذیب چند سال میں بدل گئی۔ دنیا کی تاریخ
کا نقشہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ ایک طرف افریقہ کے صحراؤں میں اور دوسری طرف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۳	رحمتِ خداوندی	۳۸	عبداللہ کا نتیجہ ہر صبح المزاج
۱۱۷	تلاوتِ کتاب اللہ	۳۹	نفس کو یاد ہے۔
۱۱۹	تذکرہ نفوس	۴۰	ایمان بالملائکہ
۱۲۰	تعلیمِ کتاب	۴۱	ایمان بالکُتُب
۱۲۲	الحکمہ کی یاد ہے؟	۴۲	آخری کتاب
۱۲۵	ضلالِ بین	۴۳	ایمان بالرسول
۱۲۶	متحدہ اقوام	۴۴	نبوت و رسالت کا سلسلہ بتائے
۱۲۷	ایران کے جوہر	۴۵	آفرینش سے جاری ہے
۱۲۹	یہود	۴۶	غرض رسالت
۱۳۲	عیسائی	۴۷	نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بعثت
۱۳۳	اہل ہند	۴۸	احسانِ عظیم
۱۳۷	اہل عرب	۴۹	بشارتِ احمدی
۱۴۱	تفسیر پر ایمان	۵۰	صحابہِ توریت کی بشارت
۱۴۳	آخرت پر ایمان	۵۱	انجیل کی شہادت

چین کے میدانوں میں توحید و سنت کے نعرے گونج اٹھے۔ روم کے عظیم الشان گرجوں
جرمنی کے فلک بوس عبادت خانوں اور انگلستان کے عالی مرتبت کلیساؤں میں اللہ اکبر
کے مخلصانہ نعروں نے پادریوں کو لرزادیا۔ ہنگری اور بوسینا کے شہروں
اور آبادیوں میں اذان اسلامی کے خوشگوار اور دلچسپ لہجوں نے خراب غفلت
میں مہموش لوگوں کے کانوں کو سرست کیا۔ اسلام کی مہبت اور محمدی بجلی
کی کرنک نے یورپ کے سنگدل بادشاہوں کے کلیجہ کو کپکپا دیا اور فدا یان اسلام
نے یورپ کی بیشتر حصہ میں اسلامی جھنڈے اور ہلالی پھریرے اڑاتے ہوئے
دول یورپ کے منکبرانہ گردنیں خم کر دیں اور یورپ کے سفید بھیلوں سے الٹیا
کی بھولی بھالی بھیلوں اور بکریوں کی حفاظت کرتے ہوئے یورپ کی وحشی اور
خونخواروں کی تلواروں اور نیزوں سے اپنی چھاتی کو چھلنی کرایا۔ کفر و شرک ظلم و جور
اور خواہشات نفسانی سے اٹھی اور بھری ہوئی بختہ زمین کو اسلام کی
عہدہ اور پاکیزہ تعلیم اور عالی اخلاق کی بدولت سرسبز و شاداب کیا۔ حتیٰ کہ اسلام کی
شراب طور پینے والوں نے اپنا سرساقی حجاز کے قدموں پر رکھ دیا۔

لے یزیدؓ! تو نے خدا واد قوت اور شوکت سے اسلامی اقدار اور محاسن کو
مشرق سے غرب تک پھیلایا تھا، تقویت اسلام اور مجددی خلافت میں بے حد
دلچسپی لی تھی، تو نے حمایت اسلام میں فقط اپنی جان ہی نہیں بلکہ اہل و عیال اور
عزت و مال کی بے پناہ قربانیاں پیش کر کے شجر اسلام کو سینچا اور ثمر آمد بنایا تھا
قرآن و سنت اور اخلاق حسنہ کی پاسبانی کی تھی تو توحید و سنت اور مہم و روحانیت
کا پر زور مبلغ اور حامی تھا اور تو شرک و بدعت اور قباہ اور نری مادیت کا قانع

اور محافل آئین ختم نبوت رہا۔ پھر آج تو دنیا کی نگاہ میں کیوں اتنا حقیر ہے؟ دنیا
میں تیری ساکھ اور قدر و قیمت کیوں نہیں رہی؟ دنیا تیرے ساتھ کئے ہوئے وعدوں
کو کیوں بالائے طاق رکھ رہی ہے؟ اگر تو بڑا نہ مانے تو اس کا جواب بھی عرض
کر دیا جائے!

لے یزیدؓ! جب سے تو اقامت دین میں سستی اور حفاظت اسلام میں کاہلی کرنے
لگا اور جب سے تو نے توحید و سنت سے اعراض و بے اعتنائی کی اور جب سے تو
شب و روز عیش و راحت پسندی میں گزارنے لگا اور جب سے تیرے روشن دل سے
حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی اور رعایت نیست و نابود ہونے لگی اور جب سے بارخ
عدل و انصاف میں تیرے ظلم و عصبیان کی یاد و سرور اندھی چلنے لگی تو ٹھیک اسی
وقت سے تیری عزت و اکبر و اور ساد و جلال کے سبزہ زاروں پر تیری غفلت اور
بے پروائی کی وجہ سے قبر خداوندی کی ژالہ باری اور ربوبی ہونے لگی اور اطاعت
رسولؐ کے خوشنما چمن میں نیم سمری کی بجائے بادِ غزال چلنے لگی اور اُسی وقت سے
تو خدا شناسی اور قوتِ اخلاق کے صحیح جذبے سے عاری ہو گیا، اور تیری رہی سہی ساکھ
خاک میں ملنے لگی۔ تیرا آئینہ کی طرح صاف و شفاف دل اندھیری رات کی طرح تیرے
تاریک ہو گیا۔ آہ تو کون تھا اور کیا ہو گیا! ع

کیسے بیان کروں یہ حکایت دراز ہے

لے یزیدؓ! تیری روح کیوں مردہ ہو چکی ہے؟ اور کیوں تیری روحانیت اور
اسلامی قدریں نابود ہو چکی ہیں؟ تیرے عہدہ اخلاق کے تو دنیا میں چرچے تھے جو
صفحات تاریخ میں زمیں حروف میں کسے ہوئے آج بھی چمک رہے ہیں۔ تو ہی بتا کہ

تیری مفلح عزت و شہرت اور دینی حیثیت کو کون زندہ کرے گا؟ اور تیرے اعلیٰ ترین اخلاق کی چمک دار اور قاطع نور جس کی ایک ہی ضرب سے عصیان و تعدی بدی و بدکرداری کا مغرور سر قلم ہو جاتا تھا، آج کیوں نیام میں بند ہو کر رہ گئی ہے؟ بے حریت و استقلال کے جھٹکے! تو کیوں غیروں کی ذہنی غلامی کا شکار ہو کر رہ گیا ہے؟ اور کیوں اہل مغرب کی بے جا تقلید کے یلین گڑھے میں گر چکا ہے؟ اور کیوں ان کے مکرو خدایع کے دام ہم رنگ زمین میں الجھ کر رہ گیا ہے؟ تو ہی تاجکے عزت و اکبر کی اعلیٰ و ارفع سطح اور بام عروج پر کیوں لاکھڑا کرے گا بے بہادر مسلم! تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا و ملاطیم خیز طوفانی موجوں کا مردانہ وار مقابلہ کر اور مادہ پرستوں سے یوں کہہ کہہ

نہیں ڈر کچھ حوادث کا دل جرات بڑاں کو

یہ ساحل سبب کر لیتا ہے ہر اک موج طوفان کو

لے خواب غفلت میں محو رہا۔ تجھے معلوم نہیں کہ دنیا دار العمل، دار الامتحان اور مزرعہ ^{الافرع} ہے اور تجھے خبر نہیں کہ یہ عالم سراپا سراپ، بے ثبات اور بے قسار ہے اور تجھے یقین نہیں کہ اگر خلود و ابدیت حاصل ہے تو عجبی و آخرت کو، اور اگر بقا و پائداری ہے تو محض اس جہان کی سرمدی زندگی کو۔ تو اپنی عارضی اور فانی زندگی کو سنوارنے کے لیے سوچتے کرنا ہے اور اس بے وفا دنیا کی ترقی کے لیے تو سیکڑوں اعمال و اشغال اختیار کرتا ہے اور دن رات تیری تمام تر عملی قوتیں اور جمیع سرگرمیاں اسی مرکز کے گرد پھرتی رہتی ہیں۔ مگر مذہب اسلام، عقل و بصیرت اور فہم و دانش کا تقاضا اور فطرت صحیحہ کا (بشرطیکہ وہ مردہ نہ ہو چکی ہو) مطالبہ یہ ہے کہ تو حیات ابدی اور حقیقی زندگی کے حاصل کرنے کے

لیے بیخ گوشش اور ہر ممکن سعی سے کام لے اور عجبی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے میں کوئی کسر فرما نہ کر اور صرف اسلام کو اپنا اور صانع کچھونا بنا لے دین کی کچی پیروی اور اطاعت کرنا کہ مرنے کے بعد غیر متناہی زمانہ میں تو امن و اطمینان اور نشاط و انبساط کے ساتھ ہے اور ابدی زندگی میں ہمیشہ کے لیے توبہ حزن و ملال اور بے خوف و خطر ہے۔ اور رضائے الہی حاصل کر کے اپنی عاقبت کو محمود و مستحسن بنا تاکہ وقت و قات تیری یہ کیفیت ہو کہ تیرے مال اور باپ اعزہ و اقارب تیری جہلی اور فراق کے صدمہ سے رو بچے ہوں اور تو اپنے محبوب حقیقی کے تقار اور رحمت کی خوشیوں اور رحمت غلوئی کی بشارت کو سن کر اور بچہ شہم خود اس کا نقشہ دیکھ کر مسکرا رہا ہو جیسا کہ تیری ولادت کے وقت تیرے تمام اقارب و خصال اور خندان تھے اور تو زور دیا تھا۔ کسی عارف کا ملنے اس کی کیا ہوا بھی تصویر پیش کی ہے کہ

یاد داری کہ وقت زادوں تو

ہمہ خنداں ہندو تو گریاں

آں چناں ذی کہ وقت مزلوں تو

ہمہ گریاں شہد تو خنداں

تیری خوش بختی صرف اسی میں ہے کہ تو اپنی مستعار زندگی کو رضائے الہی اور اتباع سنت کے لیے وقف کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں خوابیدہ فطرت کو بیدار کرے اور اپنی قبر اور آخرت کی فکر کرے۔

خیر الامم

فصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ اس اُمت مرحومہ کا درجہ، مرتبہ اور شان تمام اُمتوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا فریضہ سب اُمتوں سے بڑا اور اس کا کارنامہ سب سے اعلیٰ اور اہم ہے اور اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے۔

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْتُونَ مَالَكُمْ بِاللّٰهِ (الایہ)
تم سب سے بھلی اُمت ہو جو لوگوں کے لیے
بھیکھی گئی تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بُرائی
سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر
ایمان لائے ہو۔ (پک. آل عمران - ۱۲)

یعنی اس اُمت کے بہتر اور اعلیٰ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوگی، قوت و شوکت ہوگی، اقتدار و سلطنت کی باگ ڈور ہوگی، یہ سب چیزیں محض ضمی بالتح اور سایہ ہیں اس اُمت کی اصل فضیلت اور برتری کے مقابلہ میں یہ بالکل بیچ ہیں۔ اس اُمت مرحومہ کی حقیقی بہتری کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے سبب بہتر ہے اور خیر خواہی اور ہمدردی کی وجہ بھی بیان فرمادی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں بھی خواہی ان کے اسوہ میں داخل ہوگی۔ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تاقیامت کسی کو نبوت اور رسالت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا اور دین اسلام قیامت تک باقی رہنے والی ایک النول اور

گزل مایہ دولت ہے، اس لیے کار نبوت کا گراں بوجہ اُمت مرحومہ کے ایک ایک فرد کے کندھے پر ڈال دیا گیا ہے کہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ یہ اُمت مرحومہ ادا کرے گی اور اس وجہ سے یہ تمام اُمتوں پر فوقیت سے جائیگی اور اسی سبب یہ خیر الامم اور بھلی اُمت قرار پائے گی، گویا خود ہی نیکی نہیں کرے گی بلکہ جھٹکی ہوئی اور گمراہ دنیا کو نہایت دل سوزی اور اخلاص کے ساتھ راہ راست پر لانے کے لیے اپنی قیمتی جان اور سرمایہ بھی کھپائے گی۔ بُرائی اور بے حیائی اور بدی کو مٹانے کے لیے ہر وقت سعی سہیگی۔

حق نے کہ ڈالی، میں دوہری خدمتیں ترسے پہرہ
خود تڑپنا ہی نہیں اور دل کو تڑپانا بھی ہے
اور دوسرے مقام پر رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے:-

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ
وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ
اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے
دعوت دی اللہ تعالیٰ کی طرف اور نیک کام
کیا اور کہا کہ میں حکم بردار ہوں۔ (م. المائدہ - ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ داعی الی اللہ کے قول سے بہتر قول اور کلام اور کسی کا نہیں ہو سکتا، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو اور خود بھی اچھے اعمال کا جو کہ ہو اور خدا تعالیٰ کی نیکی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے کے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھکے اس کا طعن نہیں اُتتا اور روشن نشانی صرف مذہب اسلام ہو اور ہر قسم کی نسبتوں اور القوتوں سے یک شو اور بے نیاز ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے۔
غایت خود اس پر عامل ہو اور دنیا کو اس پر عمل پیرا اور فریضہ موہبی دعوت دے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (المتوفی ۳۶ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود اللہ کو توڑنے والوں اور مہانت گھرنے والوں کی یوں مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک قوم ہے جو کشتی (اور جہاز) پر سوار ہے۔ بعض کے حصے میں کشتی کا بالائی حصہ آیا اور دیگر بعض کے حصے میں پچھلا حصہ آیا۔ جو زیریں حصہ میں تھے وہ پانی لینے کی غرض سے بالائی حصہ اور طبقہ میں گئے تاکہ پانی لیں۔ لیکن اس بالائی طبقہ والوں نے اس لیے ان کو پانی نہ لینے دیا کہ ان کو اس سے تکلیف اور اذیت ہوتی ہے۔ پانی لینے والوں نے کہا کہ ہمیں تو پانی سے کوئی چارہ نہیں لہذا ہم پانی ضرور لیں گے۔ انہوں نے تیشہ لیا اور پیچھے جا کر اپنے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر اس کشتی یا جہاز پر سوار ہونے والے بالائی طبقہ والے ان احمق لوگوں کے ہاتھ پکڑ لیں تو خود بھی نجات حاصل کر لیں گے اور ان کو بھی تباہی سے بچا لیں گے۔ اور اگر وہ خاموش رہیں (و ان تترکوا اھلکوا و اھلکوا الغصم - بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳۱) اور ان کو نہ روکیں تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور خود بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

گویا اس مثال میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں ساری اُمت کی عملی زندگی کو کشتی اور اس کے طبقات سے تشبیہ اور مثال دی ہے جس میں کوئی امیر ہے اور کوئی غریب، کوئی بالادست ہے اور کوئی زیر دست، کوئی بالا خانوں میں وقت بسر کرتا ہے اور کوئی تہ خانوں میں، کوئی دیگر ضروریات سے فارغ البال ہونے کے علاوہ پانی سے بھی خوب متمتع ہو رہا ہے اور کوئی پانی تک کو ترستا ہے غرضیکہ اعمال کے مختلف مراتب اور درجہ میں رہ کر وہ اپنی عارضی زندگی گزار

رہے ہیں اور یہ جہاز یا کشتی خواہشات و لذائذ، مرغوبات اور مالوفات کے گھرے سمندر یا دریا میں حرکت کر رہی ہے۔ اگر بالائی طبقے والے جن کی مدح میں رفعت اور بلندی ہے، پچھلے طبقے والوں کو جن کے مزاج اور مود استعداد میں قدرے پستی اور ذلت ہے، کشتی میں سوراخ کرنے سے نہ روکیں گے اور اس موقع پر حماقت کا ثبوت میں لگے، تو نتیجہ اور انجام بغیر ہلاکت و خسار کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس لحاظ سے گناہ اور جرائم کرنے والے گویا اُمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کشتی یا جہاز میں سوراخ کر رہے ہیں مگر صدافنوس کہ بائیں ہند وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بچے مسلمان اور قوم و ملت کے ناخدا اور رہنما ہیں۔

بڑا اندھیر ہے اکثر مسلمان یہ سمجھتے ہیں
کہ بد اعمال ہو کر بھی مسلمانی نہیں جاتی

حضرت حذیفہ (المتوفی ۳۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

والذی نفسی بیدم لتأمرت
بالمعروف ولتأمرن عن المنکر
اولیو شرعک الله ان یبعث علیکم
عذاباً من عندہ ثم لتدعونہ و
لا یستجاب لکم (ترمذی ج ۲ ص ۳۹ و
مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳)

اس پر در دگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری
جان ہے یا تو تم لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کرو گے اور یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ
تم پر اپنی طرف سے عذاب مسلط کرے
گا پھر تم اس کو پکارو گے مگر تمہاری دعا
قبول نہ کی جائے گی۔

صداقت اسلام

قرآن کریم، مذہب اسلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور صداقت اہل اسلام کے نزدیک تو ایک مبہون اور واضح امر ہے جس میں ان کو کسی قسم کا کوئی ادنیٰ شک و شبہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اسلام کی سچائی قرآن کریم کی دلائل و بیانی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص اور لہجہ اس قدر نمایاں اور اس قدر واضح و آشکار ہے کہ غیر مسلم بھی اس کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے مقام پر بالکل روشن ہے کہ:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (سورہ آل عمران - ۲)

یعنی اگرچہ تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذہب اسلام ہی لے کر آئے تھے۔ کیونکہ اسلام کا معنی انقیاد و تسلیم ہوتا ہے اور یہ سب میں مشترک تھا لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا میں سب ملل و اقوام کو جو اکمل، جامع ترین عالمگیر ہے مثل اور ناقابل تنسیخ احکام اور ہدایت سے روشناس کیا، وہ اصولی طور پر تمام شرائع سابقہ حق پر مشتمل ہونے کے باوجود شے نایہ پر بھی حاوی ہے۔ اولیٰ پنی اسی جامعیت اور ہمہ گیر اثر کی وجہ سے اس آخری مذہب کا نام اور لقب اسلام رکھا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ جس کے دعاوی بڑے روشن اور دلائل و براہین ایسے محکم اور اہل ہیں جن کے سامنے باطل کا کوئی دعوے والا کوئی

دلیل اور بھروسے کے لیے نہیں ٹھہر سکتی۔ اب پیروان اسلام کے لیے قیامت تک قانون اسلام کے سوا کوئی دوسرا قانون سرے سے قابل التفات ہی نہیں۔ مگر ہزار افسوس کہ مغربی تہذیب و تمدن کی نیرنگیوں نے عام لوگوں کی آنکھیں بالکل خیر و کر دی ہیں۔ حقیقت میں جو حد دیکھو تنزل ہی تنزل ہے ترقی کی طرف تہذیب، انسانی مناسبتیں جاتی

غیر مسلموں کا اقرار

ہم ذیل میں چند غیر مسلموں کے مختلف طبقات کے بعض اقوال ہدیہ قرار دیتے ہیں جن سے ہر سمجھدار آدمی بخوبی حقیقت کی تہ تک پہنچ سکتا ہے، جن میں انگریز، روسی، ہندو اور سکھ وغیرہ بھی شامل ہیں جنہوں نے قرآن مجید، مذہب اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی عبادت کے متعلق مختلف انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

(۶) مشرڈی رائٹ، انگلستان کا مشہور مضمون نگار اسلامک ریلویو اینڈ مسلم انڈیا فروری ۱۹۲۷ء میں لکھتا ہے کہ:-

”و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اپنی ذات اور قوم کے لیے نہیں بلکہ دنیائے ارضی کیلئے ابر رحمت تھا۔ آپ نے مدتوں مساحت کا سلسلہ جاری رکھا اور سر توڑ کوشش کی کہ ذات پات کا تفرقہ مٹ جائے اور یہی سبب ہے کہ آج اسلام کے اندر ذات، نسل اور قوم کے امتیاز کا کوئی نام و نشان نہیں ہے“

دشمنان احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باوجود تعصب میں اندھے ہونے کے اس کے اقرار پر پابہ زنجیر ہیں کہ اس نے اپنے دشمن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں جس نے احکام خداوندی کو اس شخص طریقہ سے انجم دیا ہو جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک برجہ احسن بجالایا ہے۔

② مسٹر اسٹینی لین پول، یورپ کا زبردست محقق اپنی تصنیف اسپرچز آف محمد میں لکھتا ہے کہ:-

”حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت بااخلاق اور جمل ریاضہ تھے ان کی بے ریا خدا پرستی، عظیم فیاضی مستحق تعریف ہے۔ آپ اس قدر انکار پسند تھے کہ بیماروں کی عیادت کو خود جایا کرتے تھے، غریبوں اور غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے تھے، مسکینوں سے بہت محبت کرتے تھے، اپنے کپڑوں میں بیونہ لگالیتے تھے، بکریوں کا دودھ خود دہتے اور اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ بے شک وہ مقدس پیغمبر تھے۔“

③ مسٹر ہربرٹ وائیل، یورپ کا منصف مزاج مؤلف اپنی کتاب گریٹ یچرز میں لکھتا ہے کہ:-

”حضرت مسیح (علیہ السلام) سے (تقریباً) چھ سو برس بعد عرب کی اخلاقی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی۔ ۲۰ اپریل سنہ ۵۷۰ء کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر پیدا ہوئے جنہوں نے بہت سی کوبا لکل مٹایا اور عرب کے دشمنوں کو مستعد بنا دیا۔ عام لوگ ان کی سچائی و دیانتداری کے سبب آپ کو انجیلین کہہ کر

پکارتے تھے۔ انہوں نے گمراہوں کو راستہ بتایا اور لوگوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کی۔“

④ انگلستان کا مشہور عقلمند سر ولیم مور لکھتا ہے کہ:-
”محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سادہ لیکن نہ مٹنے والی تعلیم جو آج ہر جگہ نظر آ رہی ہے، ایک عجیب و غریب اور زبردست وحیرت انگیز اثر دکھایا ہے۔“
⑤ لفٹننٹ کرنل ساکس لکھتا ہے کہ:-

”حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی اخلاقی جرأت، نہایت خلوص نیت، سادگی، رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر انہی صفات کے ساتھ استقلال عزم اور حقی پسندی و معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔“

⑥ سٹری۔ لے فری مین کا بیان ہے کہ:-
”اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے بچے راست اور سچے ریاضہ مرتھے۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے مقدس مشن میں آخر تک مستقل اور ثابت قدم نہ رہ سکتے۔“

⑦ یورپ کا مشہور فلاسفر اہل قلم کار لائل لکھتا ہے کہ:-
”اللہ اللہ ان کی مثال کیا؟ ان کی ذات ایک چنگاری کی طرح تھی جو سیاہ و غیر معلوم نیت پر گری اور پھر وہ ریت شعلہ افشانی کرنے لگی حتیٰ کہ دہلی سے قرطبہ تک بلکہ آسمان سے زمین تک نور ہی نور دکھائی دینے لگا۔“

⑧ روس کا بلند پایہ محقق کاؤنٹ طاسطانی، اپنی بہترین کتاب میرین آف اسلام

میں لکھتا ہے کہ :-

”مد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر محققانہ و فلسفیانہ نظر ڈال کر مجھے اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تاثر نہیں ہے کہ بلاشبہ وہ سچے پیغمبر اور کروڑوں بندگانِ خدا کے ہادی و رہبر ہیں۔ انہوں نے گمراہ لوگوں میں نورِ ایمان پیدا کیا، ان کے دلوں میں حق پسندی و صداقت کا جذبہ پیدا کیا انہوں نے اعلان کیا کہ خدا ایک ہے اور اس کے نزدیک سب انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و برتری نہیں ہے۔ حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت ہی متواضع، خلیق، روشن فکر اور صاحبِ بصیرت پیغمبر تھے۔ لوگوں سے بہت ہی عمدہ معاملہ کرتے تھے؟“

⑨ ڈاکٹر مارکس ڈاؤن مشہور محقق اپنی کتاب محمدؐ، مجدِ اینڈ مسیح میں لکھتا ہے :-
”حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ آپ کے نزدیک و جہالت کوئی چیز نہ تھی۔ آپ امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ آپ کی ذات سچوئمہ، خیر و برکت تھی۔ آپ نہایت صابر و شاکر اور انکار پسند تھے، آپ نے بت پرستی مٹا کر خدا پرستی کی نیک تعلیم دی اور وہ بیشک ایک کامیاب رہنما رہے۔“

⑩ ہندوستان کا مشہور معرّف اور ہندوؤں کا ہر عزیز لیڈر اور ان کا ہاتھ مارٹر مونس داس کرچند گاندھی (متوفی مقتولاً ۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء) کا بیان ہے کہ :-
”مغربی دنیا اندھیرے میں غرق تھی۔ ایک روشن ستارہ اُفقِ مشرق سے چمکا اور اس نے بے قرار دنیا کو روشنی اور تسلی کا پیغام دیا۔ اسلام جبراً مذہب نہیں ہندوؤں

کو کھٹے دل سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے، پھر وہ بھی میری ہی طرح اس کی محبت کرنے لگیں گے۔“ (ریگ انڈیا)
نیز گاندھی جی نے ایک خاص موقع پر کہا کہ :-

”اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ اگر اسلام سچا نہ ہوتا تو کب کا صفحہ ہستی سے نابود ہو گیا ہوتا۔“ (بحوالہ اخبار آزاد لاہور ۲۷ نومبر ۱۹۴۶ء ص ۶)

⑪ مسٹر ٹی۔ ایس کٹلیہ ڈپٹی انسپکٹر کتابت ہے کہ :-
”بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سچے پیغمبر تھے۔ سچے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق میرے دل میں جس قدر بلگائیاں تھیں، میں روحِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معافی مانگتا ہوں اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج دنیا میں ایک شخص کی بھی مجال نہیں کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیرئیر پر ایک بھی سیاہ داغ لگا سکے۔“

⑫ ایک سکھ فاضل سردار پریم سنگھ کا بیان ہے کہ :-
”میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ جو نبی کہہ رہا ہو، کچھ اور ہو، اور اُس کے دل میں کچھ اور ہو اور پھر وہ نبی تمام قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کا رسول ہوں۔ مگر وہ اپنے کام میں ثابت قدم ہے اور آخر کامیاب ہو کر دم لیا۔ کوئی یقین دلا سکتا ہے کہ تیس کروڑ بلکہ چالیس کروڑ (اور اس وقت تقریباً ایک ارب بلکہ اس سے بھی زیادہ - صفحہ) مسلمان جو آج قرآن مجید کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سچا ایمان رکھتے

تھے، وہ تمام لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایک جھوٹی بات پر اپنے ایمان کو جمایا ایک کے احکام پر ایک (جباری) دنیا اپنا سر جھکا کر ہے۔ گزشتہ تیرہ سو سال سے مومنین ہر روز کم از کم پانچ بار محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام مبارک اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ کوئی مجھے بتائے کہ یہ طاقت کہاں سے آئی؟ کیا یہ الہی طاقت نہیں؟

(۳۰) شری راج ویدرہنڈٹ گداوہر پشادشرمارٹیس اعظم الہ آباد کہتے ہیں کہ:-

”میں ایک راسخ العقیدہ ہندو ہوں لیکن میں نے ہندو عیسائی اور اسلامی مذاہب کے بانیوں کے حالات زندگی کو اپنی بہترین توجہ کا مزاج دیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام دنیا کا بہترین مذہب ہے اور میں باہگ دہل اعلان کرنا ہوں کہ میری رائے میں اگر کسی مذہب کو اخوت باہمی، اخلاق، تہذیب اور اتحاد کی دولت فراوانی اور کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے تو وہ تمام مذاہب کا سرور اسلام ہے۔ اسلام کی فیاضی اور کشادہ دلی اس کا امتیازی نشان ہے۔ وہ بلا لحاظ اس بات کے کہ کوئی امیر ہے یا غریب سب کو اپنی شفیق آغوش میں پناہ دیتا ہے اس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں، ہر خیال و رنگ کے انسان اس کے زیر سایہ آرام و راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اچھوت پن کی لعنت دور کرنے کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے۔ پیغمبر اسلام تمام اوصاف حسنہ کے مجسمہ تھے۔ مسلمان فطرۃً روحانیت پسند واقع ہوئے ہیں، انہیں مذہب اخلاق سے خاص لگاؤ ہے۔“

(یہ جملہ اقتباسات کتاب سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و امصنفہ مولانا

عقیق احمد صاحبے ماخوذ ہیں، بجز ان کے حوالہ کے جو اخبار آزاد سے ماخوذ ہے (۳۱) آرنیل سرولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”مسلمانوں کا اپنی خاص کتاب (قرآن مجید) کا ہماری کتب مقدسہ کے اختلاف عبارات سے مقابلہ کرنا ایسی چیزوں کا باہم مقابلہ کرنا ہے جن کے حالات اور اصلی امور میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔“ (حاشیہ لائف آف محمد جلد اول ص ۱۵) اور نیز لکھتے ہیں کہ:-

”اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور ان کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایات قدیم اکثر اصحاب، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات ہی میں بڑی جوت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ کر سکتے تھے۔“ (لائف آف محمد جلد اول ص ۱۵ مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء) (۱۵) مشہور مستشرق پروفیسر براؤن لکھتا ہے کہ:-

”تہذیب عالم میں مسلمانوں نے جس قدر شاندار اضافہ کیا ہے وہ صرف اسلام کا طفیل تھا، وہ اسلام جس کی سیدھی سادی مگر اعلیٰ تعلیم کو کوئی بے تعصب محقق نظر انداز نہیں کر سکتا۔“ نیز براؤن ہی لکھتا ہے کہ:-

”قرآن مجید کا میں جتنا مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو اکتساب کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اسی قدر مجھے اس میں زیادہ لطف آتا ہے۔“

(۱۶) ڈیویر کا قول ہے کہ — مسلمان بزدل، وحشی اور ظالم نہیں تھے بلکہ شجاع خلیق اور عادل تھے۔

(۱۷) مشہور فرانسیسی فلاسفر موسیورینن مسجد میں جماعت کی تنظیم کو دیکھ کر کہتا ہے کہ:-

اپنی زندگی میں جب کبھی میں مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہوا ہوں میں نے اپنے اندر اسلام کی طرف ایک خاص کشش محسوس کی ہے بلکہ مجھے اپنے مسلمان نہ ہونے پر افسوس ہوا ہے۔

دیہ اقباسات اخبار کوثر لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۶۵ء (۱۰ ص ۱۹)

قارئین کرام! غیر مسلموں کے یہ چند اقباسات بطور نمونہ نقل کئے گئے ہیں درجہ ابھی بسیرگ خواجہ جنت اور بھی پیش نظر ہیں، اگر کتاب سے حجم کے بڑھ جانے کا ڈر نہ ہو تو ہم ان کو بھی ہر یہ ناظرین کرتے لیکن محدود وسائل اور محصور ذرائع کے تحت پھر اس انسائیکلو پیڈیا کی طباعت بڑی مشکل ہو جاتی، اس لیے سر دست اپنی پراکتفا کی جاتی ہے۔ غور فرمائیے کہ قرآن کریم، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور اہل اسلام کی صداقت و دیانت، بلند کرداری اور استقلال، رفعت شان اور جلالت قدر عالی ہمتی اور غلظت خدا کے ساتھ ولسوزی اور ہمدردی کے ثبوت پر غیر مسلموں کی یہ کس قدر ذنی شہادتیں ہیں۔ اس سے بڑھ کر اسلام کی صداقت کی اور کیا شہادت درکار ہے؟ سچ ہے ع۔ الفضل مائشہد بہ الاعلانی

مبلغ کا رتبہ

امرا بالمعروف اور نسی عن المنکر کا مقام وہ بلند مقام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انتخاب فرمایا ہے، اگر اس سے بڑھ کر کوئی اور بہتر منصب ہو تا تو اللہ تعالیٰ وہ ان حضرات کو مرحمت فرماتا، اور یہ ایک امر واقعی

ہے کہ اس سلسلہ میں ساری دنیا کی دولت کما کر بھی وہ لذت و عیش و نشاط و سرور اور وہ انبساط و انشراح ایک لمحہ بھر کے لیے حاصل نہیں ہو سکتا جس کو بندگان خدا اپنا سب کچھ کھو کر حاصل کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ یقینی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ راہ حق میں توجید و سنت کی دعوت دیتے ہوئے ایک فاقہ مست مبلغ اپنے نازک پاؤں کے تلووں میں کانٹے چبھا کر جو لذت و سرور حاصل کرتا ہے، وہ دنیا و مافیہا کے خزانوں سے اُسے زیادہ عزیز ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر ایک انسان کو بھی اُس کے رب حقیقی سے ملانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ مال و جان کے نقصان کو نقصان و زیان نہیں سمجھتا بلکہ یقیناً کامل رکھتا ہے کہ یہ ضیاع دقت نہیں بلکہ کامیابیوں اور شادمانیوں کا تاج و تخت ہے۔ یہ زیان نفس و مال نہیں بلکہ فوز و فلاح ہے یہ شکست نہیں بلکہ فوز و مرد کی فتح ہے اور حصول و وصول کی بہشت ہے، یہ لٹنا نہیں ٹوٹنا ہے۔ یہ کھونا نہیں پانا ہے، یہ دینا نہیں لینا ہے، یہ خیران نہیں فانی ہے اور اس نیک مقصد میں موت موت نہیں بلکہ حیات جاودانی ہے۔ اس لیے کہ اس کی ایک قربانی سے ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے قلوب اور دوحیں سنورتی ہیں، اس شوق میں وہ اپنے اندر اور اپنے سے باہر جو کچھ بھی رکھتا ہے سب کو اسی غرض کے لیے لٹا دیتا ہے اور فرش خاک کو وہ اپنے لیے مرصع و تخت سمجھتا ہے اور بخیر زود اور گرم خورد کھل کو تاج شاہی سے کم نہیں جانتا اور اس پر وہ شادمان ہوتا ہے کہ

بستر خاک کا دو پارچے کبسل کی کلاہ
تاج خسرو ہے ہی تخت سیماں ہے ہی

ہمارے اسلاف نے اسلام کی تبلیغ و خدمت میں جس قدر تنہا رہی اور قربانی کا ثبوت دیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام عالم اور خصوصاً پاکستان کے مسلمان ان اکابر کے نقش قدم پر گامزن ہوتے ہوئے کامل اور صادق و فاداری پلینے دلوں میں رقم کر لیں اور اصلاح عقائد و اعمال اور ترویج بدعات و رسوم میں پوری پوری کوشش کریں تاکہ دینِ قریم کی پھلی عظمت رفتہ اور شان پھر عروج کرے اور اسلام کو اور اس کی بدولت خود مسلمانوں کو ابدی عزت اور سر بلندی نصیب ہو جن کا ایک ایک فرد بزبانِ حال دل کی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ

میرا وقت مجھے بے بچہ گریا میرا رنگ و روپ بچہ گریا
جو چین خزاں سے اُجڑ گیا میں اُسی کی فصل بہا ہوں

غفلت و کاہلی

سوچنے کی بات ہے کہ مسلمانوں میں بالعموم اس وقت تبلیغی رفتہ کیوں سُست ہے؟ اقوامِ عالم کو غضابِ الہی سے آگاہ کرنے کے دلوں ان میں کیوں نہیں اُبھرتے؟ بشارتِ ربانی سنانے کے لیے ان کی زبانیں کیوں خاموش ہیں؟ رضائے خداوندی کے حصول کے لیے جان کھپانے کے جذبے انہیں کیوں مفقود ہیں؟ فکرِ آخرت کی تڑپ ان میں کیوں عبقاق ہے؟ ایسا و قربانی کی اعلیٰ مثالیں ان میں کیوں ناپید ہیں؟ مذہبی غیرت اور دینی جذبہ کا ان میں کیوں فقدان ہے؟ اخلاقی برتری اور روحانی زندگی سے وہ کیوں نفرت کرتے ہیں؟ دنیا کی فانی آمد

ناپائیدار زندگی کو وہ ابدی تپا پخلا کیوں ترجیح دے رہے ہیں؟ اکثر سحر نگار اہل قلم اور آتش بیاں مقرر خالص توحید و سنت کی نشر و اشاعت سے کیوں ٹانوس ہیں؟ ان سب امور کا مختصر مگر کافی و شافی جواب صرف یہ ہے کہ اس مادی اور پُرفتن دور اور نام نہاد تہذیب و تمدن کے زمانہ میں اکثر انسانوں کو اپنے جسمِ خاکی کی فکر تو ہے مگر خدا و انسان کے رُوح کی فکر بہت کم ہے اور اس کی صحیح اور اصلی غذا سے اکثر لوگ بے فکر و بے پروا ہیں۔ عارضی اور فانی زندگی کا خیال اور اس کی بہتری اور برتری کے لیے تنگ و دو تھوہر کس و نا کس کو ہے لیکن پائیدار اور ابدی زندگی کا دھیان بہت کم حضرات کو ہے۔ مقامِ حیرت ہے کہ یہ نہایت صاف اور سیدھی سی بات بھی ان کے ذہن میں نہیں آتی اور نہ اس کے تغیر و تبدل کے لیے وہ سعی اور کوشاں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے جو کچھ اور جتنا کچھ بھی وہ کرتے ہیں، اکثر محض اس دارِ غرور ہی کے لیے کرتے ہیں جو مومن کے لیے

البتین اور قید خانہ ہے۔

اس سرب رنگ و بُو کو گستاں سمجھا ہے تو
آہ لے نادانِ فتن کو آشیان سمجھا ہے تو

خود فریبی

انسان کی غفلت اور خود فراموشی، نظر فریبی اور خیرہ چشمی دیکھنے کہ وہ اپنا مادی لباس اور گھر بنانے کی فکر میں تو شب و روز غلطان و بیچاں ہے مگر وہ

اپنے لباسِ تقویٰ اور اپنی روح کو سنوارنے اور تاریک قبر میں اُجالا کرنے کا کوئی سامان نہیں کرنا۔ ظاہری صفاتی توہر چیز میں عیاں ہے مگر کاش باطنی طہارت کا نشان تک نہیں۔ رسمی اخلاق اور بناوٹی تبسم کی تو کوئی انتہا نہیں لیکن حقیقی خندہ رومی جس میں قلبی شفقت بھی جلوہ گر ہو یکسر مفقود ہے۔ بغلٹی اور نمائش کی زبانی ہمدردیاں اور دل سوزیاں تو بہت زیادہ ہیں لیکن قلبی اور قابی دگلندزی پیر ہے۔ بغرض قوم کی قوم اور اس کی ساری زندگی اور زندگی کی ایک ایک حرکت نمود و نمائش، صورتِ آفاقی اور اختراع و کھلاوے اور ریاسے پر ہے اور یہ سب بانی اس مادی و دُور تہذیب و تمدن کے مصنوعی اخلاق کا ادنیٰ اگر تھ ہے جس کو آزادی خیال سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور درحقیقت اسی میں قوم کی تباہی مضمر ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے تجربے سے آپ ہی خود کٹی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیاء بنے گا ناپائیدار ہوگا

اس لیے تمام مسلمانوں کا یہ ایمانی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنالیں اور اپنے کسی بھائی کی کسی اونٹ سے اونٹ شری کو تباہی اور کمی کو دیکھ کر ہرگز خاموش نہ ہوں بلکہ خلوت و جلوت، دن اور رات آہستہ اور علاقبہر حال میں انتہائی محبت اور پیار بلکہ منت اور خوشامد کے ساتھ اُسے دوزخ کی شعلہ زن آگ سے بچانے کی سعی بلیغ کریں تاکہ خدا تعالیٰ کے آخری اور مکمل دین کا گھر گھر چرچا ہو اور ہر ایک غرور و بزرگ حق تعالیٰ کی محبت اور رضا جوئی میں سرشار ہو کر اور جنابِ لام الانبیاء خاتم النبیین محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر یہ جذبہ اپنے دل میں لے کر اُٹھے کہ اسلام ساری دُنیا میں پھیل جائے اور سب انسان اللہ تعالیٰ کے صحیح معنی میں بندے ہو جائیں اور اپنی ساری جماعتی تنظیموں کا اصلی مقصد ہی اسی تبلیغ دین کو سمجھیں۔ سائنس کی غیر معمولی ترقی اور اُس کے حیرت انگیز فتوحات کے سبب قدرت کی طرف سے آسانی اور سہولت کے سبب سامان مہیا ہو چکے ہیں، اب صرف ہماری جدوجہد کے امتحان کا وقت ہے۔ دیکھیے کس خوش نصیب کو اپنے نفس کے سنوارنے کا موقع ملتا ہے۔

دل میں لگا کے اُن کی کو، کرے جہاں میں لشر ہو
شمعیں تو جل رہی ہیں سوا، بزم میں روشنی نہیں

اس اُمت کی حق گوئی

احادیث کے روشن ذخیرے یہ امر بالکل آشکارا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین حق و صداقت کی آواز سے کبھی خالی نہیں ہے گی تاو تکیہ حضرت علی علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر تمام ادیان و مذاہب باطلہ کو باذن اللہ مٹا کر صرف ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب کا سنہری پرچم نہ لہرائیں جس کا نام اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اور اس دینِ قویم کی نصرت و تہذیب کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ سخت سے سخت دُور طغیان و فساد میں بھی صاحبینِ اُمت کی ایک جماعت، ضرور ایسی قائم رکھے گا جن کے نفوس و قلب خود اللہ تعالیٰ کی پستہ اور

حفاظت میں ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی سے خوف نہیں کھائیں گے
ان کا دل صرف ایک ذات سے ڈرے گا جو ڈر کی خالق ہے، اور یہ بالکل ایک
حقیقت ثابت ہے کہ جو دل خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ دنیا کی ہر شے سے ڈرنے
لگتا ہے، اور ایسے بندگان خدا کو کسی قوی سے قوی دشمن کا جو رستم اور کسی طاقت پر
سے طاقت و مخالفت کا کوئی ظلم و عدوان بھی حق گوئی سے نہیں روک سکے گا۔
وہ جان فروش مومن اپنی شمشیر صاف گوئی سے کلیم پوش ہو کر بھی فواحشات و معکرات
کے ملک بوس مجتہدوں کو چکنا چور کر دیں گے اور ضلالت شیطانی کا ان پر دسترس اور
تسلط نہیں ہوگا اور جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے، وہ ان کو نقصان پہنچانے میں
کبھی بامراد و کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ وہ ہر باطل کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر
ہو ناک طوفانوں کی بے پناہ موجوں سے کھیلنے بھٹنے بھی چرخ ہدایت اور شیع اسلام کو روشن رکھیں گے
اور نصرت الہی کی کام لیں اور اعانت خداوندی کی فتحندیوں کے ساتھ وہ جاں باز و جان نثار
حق کو باطل پر غالب کر کے لیے اور باطل کو پامال کرنے کیلئے جان عزیز کو متحیل پر رکھ
کر جام شہادت کے سلاخی اور منتظر ہوں گے اور موت شہادت کو یوں خطاب کریں گے۔
سے اتنا پیغمبر درو کا کہنا جب صبا کو مئے یار میں گزے
کون سی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گزرے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں آتا ہے :-
قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال لا یزال من اُمتی اُمة قائمة
بامر اللہ لا یضرهم من خذلہم و

ولا من خالفہم حتی یأتی امر اللہ
وہو کذا اللہ و بھاری ج ۱ ص ۱۴۷ و
مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۳)

کے حکم کو ٹھانے سمجھے گا اس کو وہ لوگ کوئی نقصان
نہیں پہنچا سکیں گے جو ان کو رسوا اور ذلیل کرنے
اور ان کی مخالفت پر تے ہوں گے یہاں
ملک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے (یعنی قیامت)

اور وہ اسی طرح حق پر قائم ہوں گے۔
اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۳۷ھ) کی روایت میں ہے کہ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

لا تنزال طائفة من اُمتی یقاتلون
علی الحق ظاہرین الی یوم القیامة
قال فیمنزل عیسیٰ بن مریم۔ الحدیث
قیامت تک میری امت میں سے ایک گروہ
ضرور ایسا ہے گا جو حق کی خاطر قتال و
جہاد کرے گا تا آنکہ حضرت عیسیٰ بن مریم
وسلم ج ۱ ص ۸۷ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۷)

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ دیگر متعدد صحابہ کرام سے بھی مروی ہے
اصح حدیث سے صاف طور پر یہ واضح ہو گیا کہ اُمت مسلمہ کا ایک حق گوار حق خواہ
طاقت قیامت تک قائم و دائم رہے گا اور اس مبارک ٹولہ کی آخری کڑی حضرت عیسیٰ
علیہ السلام سے جڑ جائے گی جو آسمان سے نازل ہو کر حق کو باطل پر غالب و منصور کرنے
نے نیلے شب و روز کو شال اور سامی ہوں گے۔ اور ان کی زندگی ہی میں یہ شادمانی
ان پر حاصل ہوگی کہ صرف دین حق ہی باقی رہے گا اور باقی تمام ادیان مٹ جائیں گے۔

زمانے کی انجبری ہوئی تہذیب جدید
حشر کے پہلے ہی فنا ہو کے سبے گی

یہ اُمت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی

اگرچہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں مذہبی اور سیاسی مخلصانہ اور خود غرضانہ فتنے اس دھرتی پر ایسے برپا ہو چکے ہیں جن کا تصور کرتے ہوئے بھی جسم کا نپ جاتا ہے۔ قلم میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے، بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور زبان کو طاققت گفتار نہیں رہتی جن فتنوں میں کئی ایک بندگانِ حرص و ہوا اجباراً اُمت کے جادۂ مستقیم کو پھوڑ کر ضالۃ الغم بن بھی چکے ہیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ مجموعی حیثیت سے اس اُمت مرحومہ کا کبھی بھی ضلالت و گمراہی پر اجتماع نہیں ہوا اور افضل اللہ نہ تاقیامت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا دست قدرت و نصرت ہمیشہ سے اس جماعت پر رہا ہے اور ہمہ قیامت تک رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (الموتی ۳۵ھ) کی روایت یوں آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

لا یجمع الله اُمتی علی ضلالتہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ ابداً و بعد اللہ علی الجماعۃ (متحدک ۱ ص ۱۱۱) جماعت پر ہے گا۔

اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ (الموتی ۳۵ھ) سے بھی آتی ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۹۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۱) اور حضرت انسؓ بن مالک (الموتی ۹۳ھ) سے بھی مروی ہے۔ (متحدک ج ۱ ص ۱۱۱)۔

غرضیکہ متعدد روایات اس پر پوری طرح روشنی ڈالتی ہیں کہ مجموعی لحاظ سے من حیث القوم یا اُمت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی۔ اور چودہ سو سال سے ربّ قدیر کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہونا رہا ہے کہ اُمت مرحومہ حق پر ڈٹی رہی ہے۔

جماعتی زندگی کا مفہوم اور اُس کی اہمیت

بلاشبک و شبہ مذہب اسلام نے جماعتی زندگی پر بڑا زور دیا ہے اور جماعتی زندگی کے ترک کو اسلامی زندگی کے ترک سے تعبیر کیا ہے، جس کا نتیجہ سوائے شُرّان اور عذابِ جہنم کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ (معاذ اللہ) اور حدیث من شدّ شدّ فی النار (ترمذی ج ۲ ص ۲۹۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۱) کا یہی مطلب ہے۔ اور دوسری حدیث میں واشتکاف الفاظ میں رسولِ ربّی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ :-

فانہ یس احد یفارق الجماعة جو شخص بھی جماعت کے ایک بالشت بھر شبرا فیموت الامات میتۃ جاہلیۃ الگ ہوا اور اسی حالت میں اسکی وفات (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹) ہوگی تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی زندگی اسلامی زندگی کے سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ اسلامی زندگی کی روح ہی یہ ہے کہ مومن کی حیات و موت اسکی وراثت اور نیک عمل جن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے ہو اور بس۔ اس کا جو قدم بھی اُٹھتا ہو۔ اپنے ربّ ذوالمنن کے شوقِ دیدار کے لیے اُٹھے اور اُس کے لبوں سے جب بھی

کوئی بات نکلے تو صرف حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے، اور کیوں نہ ہو اس کو تو سبق ہی یہ ملا ہے :- قُلْ اِنْ صَلَوَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

یہ بات ہمیشہ ہمیش نظر ہے کہ اسلام کی نگاہ میں جماعتی زندگی کا معنی اور مطلب کیا ہے اور اسلام جماعتی زندگی کس زندگی کو کہتا ہے؟۔ اسلامی تعلیم کے دوسرے جماعتی زندگی یہ نہیں کہ باہم مل کر تفسیر طبع کے لیے کوئی کلب بنایا جائے اور فرصت کے اوقات میں وہاں جمع ہو کر خوش گیتیاں مانجی جائیں اور دل کی اُمنگیں نکالی جائیں یا اتفاق کر کے کوئی اکھاڑا اور ورزش گاہ تجویز کر لی جائے یہاں صبح و شام اکٹھے ہو کر ورزش کی جائے یا کشتی لڑی جائے، یا اصلاحی نام پر کوئی ادارہ یا انجمن بنالی جائے اور صلاح و مشورہ سے اپنے مزمعہ اور مفروضہ دینی اغراض و مقاصد کو بر دے کار لایا جائے، یا کوئی کمیٹی ترتیب دی جائے جس کے ذریعے ووٹوں کی دنیا میں اپنے مقصد یہاں کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ یا قرآن و سنت اور فقہ اسلامی سے مستغنی ہو کر اپنے خود تراشیدہ اور خانہ ساز اصول کے تحت کوئی سوشلٹی وضع اور اختراع کر لی جائے جیسے ملکی اور قومی، سیاسی اور اقتصادی، معاشی اور معاشرتی مفاد کو انجام دینے کی سعی اور کوشش کی جائے۔ یا اسی قسم کی کوئی اور اجتماعی صورت اختیار کر لی جائے، جس میں زندگی کے لائحہ عمل پر غور و خوض کیا جائے۔ اگرچہ ان تمام صورتوں میں نظریہ ظاہر اجتماعی شکل تو موجود ہے لیکن اسلامی نقطہ نظر سے یہ اُس اجتماعی زندگی کا مصداق نہ ہو کہ نہیں جو اسلام کا مقصود و مطلوب ہے بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُمت مسلمہ کی یکتہ جنتی

واجتماع، اس کا اتفاق و اتحاد اور اس کا نظم و ضبط محض خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کے لیے ہو، قرآن و حدیث کی سر بلندی کے لیے ہو، خلافت راشدہ کے قیام اور اُس کی بقا کے لیے ہو، سلف صالحین کے بہترین طرز زندگی کے احیاء کے لیے ہو۔ اور ملت کے ایک ایک فرد کی کوشش و کاوش، سعی و عمل، تپش و غلش اور سوز و گلاز جو ان کے قلب عشق آمیز کی گراہیوں سے ابھر کر لب آتش نوا ہو کر پہنچا ہو اور جس کی بدولت جذب و اثر کی دنیا رقص کرتی دکھائی دے، صرف اور صرف اطاعت خدا اور اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہو۔ کتب و سنت کے لیے ہو، اسلام کی رفعت اور کامیابی کے لیے ہو۔ جس وقت اور جس قدر یہ آرزو بلند اور پاکیزہ تھی اس وقت یہ اُمت مسلمہ اور اس کا ایک ایک فرد ہمہ تن رضائے خداوندی پیروی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تبلیغ اسلام میں منہمک تھا۔ مگر ان کی تبلیغ و سعی محض زبان کی شہرہ بینی اور قلم کی روشنائی ہی کی رہن برکت نہ تھی بلکہ اس میں غور و فکر کی سُرخی اور دل کی سوزش بھی شامل تھی۔ وہ باوجود اختلاف استعداد کے اسلام کے صفات و شفاف چشمہ سے مستفید ہو کر سب عالم کو منور کرنے کے درپے تھے۔ ایک بجلی تھی جو سب میں کو نور ہی تھی، ایک بے فستار روح تھی جو سب میں ترپ رہی تھی ایسا اب کی طرح نہ ٹھہرنے والا دل تھا جس نے سب کو بے قرار کر دیا تھا۔ وہ بے سرو سامان تھے مگر منظم حکومتیں اُن سے لرزتی تھیں، تاج و تخت کے مالک اُن سے ٹھہراتے تھے، وہ کھٹوڑے تھے۔ مگر غالب و منصور تھے، وہ پیدل تھے مگر برقی رفتار تھے۔ وہ بعض دفعہ اکیلے ہوتے

مگر ہزاروں پر بھاری بہتے تھے۔ نور توحید کا جذبہ، مخلوق خدا کی ہدایت و اصلاح کا دلولہ اور کائنات کی رہنمائی کی فکر ہر ایک قلب میں پیوستہ تھی جس کے سبب خدا تعالیٰ کے نام کی سر بلندی، اطاعت رسول کا جذبہ، مخلوق کی صحیح ہمدردی اور ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا طلبی کا جوش ان میں کام کر رہا تھا۔ وہ کچھ بھی تھے، جہاں بھی تھے اور جیسا کچھ بھی کیا کرتے تھے، ان کے ہر کام سے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور دنیا کی درستی تھی اور بس۔ ان کی دوستی اور دوست بھی محض خدا تعالیٰ کے لیے ہوتی تھی اور ان کی عدوت و دشمنی بھی صرف خدا کے لیے ہوتی تھی۔ وہ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ کا مجسمہ بن چکے تھے۔ ان کی یہ صفت تھی کہ

رہ حق میں تھی دُور اور بھاگ اٹھی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اٹھی
بھگتی نہ تھی خود بخود لاگ اُن کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ اٹھی
جہاں کر دیا نرم نہ مانگئے وہ جہاں کرو یا گرم گر مانگئے وہ
کفایت جہاں چاہیئے وال کفایت سخاوت جہاں چاہیئے وال سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت نہ بے وجہ اُلفت نہ بے وجہ نفرت

جُھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی

رُکا حق سے جو رُک گئے اس سے وہ بھی

اسلام میں جس اتفاق و اتحاد اور جماعتی زندگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ اللہ

تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے :-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (پ۔ آل عمران - ۱۰)
اور تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑو
اور آپس میں بھوٹ نہ ڈالو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی اس مضبوط اور متین رسی کو جو قرآن مجید اور دینِ قیم کے نام سے موسوم ہے پوری قوت اور طاقت کے ساتھ پکڑو۔ یہ عروہ و تلقی اور حکم رسی ٹوٹ تو سکتی ہیں لَوْ اِنْفَصَامَ لَهَا، ہاں حرام نصیبوں کے ہاتھوں سے چھوٹ سکتی ہے۔ اگر مسلمان سب مل کر اجتماعی قوت اور امکانی طاقت سے اس کو پکڑ لیں گے تو کبھی کسی باطل اور طاغوتی طاقت سے بظلمہ تعالیٰ ان کو کوئی گزند اور تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ کوئی شیطان صفت اپنی شیطنت اور شرانگیزی میں کبھی کامیاب ہو سکے گا۔ اور انفرادی زندگی صالح ہونے کے علاوہ اُمت مسلمہ کی اجتماعی اور قومی قوت بھی بڑی مضبوط اور ناقابلِ اختلال ہو جائے گی۔ اور قرآن و سنت سے تنہک کرنے کی برکت سے تمام بھری ہوئی قوتیں جمع ہو جائیں گی اور مردہ قوموں کو ابدی زندگی اور حیاتِ تازہ حاصل ہوگی۔ آہستہ آہستہ جو اس کیفیت سے محروم اور شرابِ حق کے نشہ سے غمور ہوگا اس کے دل سے اسلام کی اجنبیت دُور اور بیگانگی کا فور ہو جائے گی۔ صدائے حق کی کشش اور نوائے صدق کی حشر ملی بانسری ضرور ٹیپ دلول پر اثر کرے گی۔ کان والے اسے سنیں گے اور جو سنیں گے صررُ حنین گے۔ اسلام کی رفعت اور سر بلندی کے لیے وہ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن کر اور اپنے پاؤں میں زنجیروں کے بوہل حلقے ڈال کر اور اپنے نرم و نازک جسم کو چوڑ چوڑ کر داکر بلکہ اکثر اوقات وار و رسن کے نیچے کھڑے ہو کر بھی وہ ایسی لذت محسوس کرتے ہیں جو شاہِ مہفت اقلیم کو سلطنت کا سنہری تلج بہن کر بھی محسوس نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنی بقا کا راز ہی اسی میں سمجھتے ہیں کہ

فَنَاقِيَ اللّٰهَ كِي تَهْ فِي بَقَا كَارِاضْ مَضْرِبْ
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

عزیز کیجئے کہ جس زمانہ فتنہ و فساد میں علانیہ طور پر بدی اور جہنم کی دعوت دی جا رہی ہو اور جس دور انحاد و شر میں صراطِ مستقیم سے ہٹا کر شیطان اور نفسِ امارہ کے نقش قدم پر چلایا جا رہا ہو اور جس دہر فتن میں ہر طرف کفر و شرک، جو روحِ عدوان اور ضلالت و گمراہی کا شیعہ ہو اور جس ماحول میں ثقافتِ اسلامی کے نام پر رقص و مہر و بے حیائی و عریانی اور جنسی خواہشات و لذتِ ذات کا مکروہ و حیا سوز اور ایک گونا گونا سا حرام پر وہیکٹڈ اور شور سے جاری ہو اور اربابِ اقتدار ان مذموم افعال کی سرپرستی کرتے ہوں اور دینی و اخلاقی اقدار سے بے پروائی برتنے ہوں، کیا ایسے نازک ترین وقت میں مسلمانوں کا یہ اسلامی فریضہ نہیں کہ وہ جبل اللہ المتین کے ساتھ والہ نہ ہو کر جماعتی زندگی میں اپنے کو منسلک رکھیں اور آپس میں متفق ہوں ایک اجتماعی نظام اور ایک ہی اسلامی رشتہ میں جگر کر صحیح اسلامی زندگی بسر کریں اور گمراہ مخلوق کو غفلت اور جہالت کی بے مزا اور مُسک زندگی سے نکال کر روحانی اور اخلاقی زندگی کی صحیح اور سیدھی لائن پر چلانے کی سعی کریں کیونکہ یہ کام تو مادی دنیا کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس لیے کہ مادیت کا تمدن اور اس کی بنیاد و اساس ہی فانی تلفذ اور لغزشِ نفس پروری اور تن آسانی پر قائم ہے جس نے قوت و اقتدار کے بل بوتے اور حکمرانی اور شوکت کے زیر سایہ تربیت پاکر باہم عروج تک رسائی کی اور تشنگانِ حیات عارضی کے لیے رعنائی اور دلبری پیدا کر کے جاذبِ قلوب بن گئی ہے جس کا ثمرہ اور نتیجہ ابدی موت کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے؟ مگر اے کاش کہ اس حقیقت کو کوئی سمجھے بھی کہ یہ کج بہار دل پر نازاں نصرت ہے، انہیں دیرانوں سے پھر ہوں گے، یا بال یہ اک دن یہ راز گستاں بھول گئے

اُمّتِ مسلمہ کی کامیابی کا راز

ہم تعدد میں گو کثیر ہیں مگر افسوس کہ ستاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں اور من مانی اور انفرادی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم بظاہر اگرچہ ایک دوسرے سے واقف اور قریب تر ہیں لیکن درحقیقت ایک دوسرے سے بے گانہ اور دور ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے محور کے گرد گھومتا ہے اور حیاتِ ملی کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قوموں کی بہتری اور بقا کا مدار ان کی مرکزیت اور اجتماع پر ہونا ہے۔ ان کی انفرادی اور جدا گانہ حیثیت اور امتیازی خصوصیت اسی نقطہء ماسک سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ان کی جماعتی اور تنظیمی زندگی اور مرکزیت میں خلل اور انتشار، تشقت و غلط فہمی واقع ہو جائے تو ان کی قومی اور ملی حیثیت کا شیرازہ بالکل بکھر جائے اور اندوہناک حوادث و فوٹال کی باور صر صر اور دہریت و انحاد کے طوفان کا ہر جھونکا انہیں حد بدر چاہے بے وزن پر اور خفیف تنکے کی طرح اڑائے اڑائے پھیرے گا اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ان کو کہیں قرار و چین کا موقع میسر نہ آئے گا اور صحیح اسلامی نظام کے بغیر جس کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہو ایسا عالمگیر اتفاق و اتحاد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اہل مغرب اور مغرب زدہ طاقتوں کے اتفاق کا مرکزی نقطہ مفاد پرستی، مکر و خداع، حیلہ سازی و تصنع اور خود غرضی کے سوا اور کچھ نہیں جس

سے ہر در و دل رکھنے والے غیور اور خدا خوف مسلمان کو ہمیشہ پرہیز کرنا لازم ہے۔
 بھلا غور تو فرمائیے کہ بڑی خرابی طاقتیں اور غیر اسلامی حکومتیں درون خانہ خود اپنے
 لیے مطلب پرستی کے نامبارک اور منحوس بت سے فارغ نہیں وہ ہمارے ساتھ کیا
 بھلائی کریں گی؟ اور جن کی سیاست اور سفارت ہی دھوکہ بازی اور جبد جوئی
 پر مبنی ہو اور جن کے وعدے اور قول و قرار اور دوستی و محبت ہر جانی کے عشق کا غور نہ
 ہوں اور جن کی اخلاقی اور روحانی طاقت الفلاک کی بہر اچھیری میں مضمر ہو اور جو منہ
 سے نکلی ہوئی سیدھی بات کی بے جانا و بدولت کے دبیز پردوں میں حق کو
 مستور رکھنا چاہتے ہوں وہ بھلا ہمارے ساتھ الفت و محبت اور ہمدردی و
 دلسوزی کیا کر سکتے ہیں؟ ان کو تو بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ
 تو بوجہ لیشن چہ کر دی کہ بجا کئی نظیری
 بخدا کہ لازم آید تو احتراز کردن

اس لیے مسلمانوں پر از بس لازم ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشن اور
 غیر متبدل ہدایت پر عمل پیرا ہوں۔ اور درحقیقت مسلمانوں کی فلاح و کامرانی اور ان کے
 بقا اور عزت کا اصلی سبب ہی یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی زندگی میں منظم ہو کر رہیں،
 ورنہ انتشار و تشتت اور پراگندگی و تفریق سے اسلامی اور قومی زندگی بالکل پامال ہو
 جائے گی اور مسلمانوں کی عالمگیر اور جہانگیر جاندار اور شاندار قوم بے وزن اور بے وقعت
 ہو کر رہ جائیگی جیسا کہ اس دورِ فتن و شرور میں اس کا باسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔
 اور یہ بالکل ایک قطعی حقیقت ہے کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

پس اگر آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کیلئے جماعتی اور منظم زندگی
 شریعت مطہرہ کی نگاہ میں ایک ضروری اور لازمی چیز تھی، تو یقین کیجئے کہ وہ آج بھی
 مسلمانوں کے لیے اسی طرح لازمی اور ضروری ہے اور تاقیامت لازم ہی رہے گی چاہے
 مسلمان عرب میں سکونت پذیر ہوں یا عجم میں، امریکہ میں فروکش ہوں یا افریقہ میں، یورپ
 میں رہتے ہوں یا ایشیا میں، چین میں بستے ہوں یا جاپان میں، مصر میں آباد ہوں یا ایران
 میں، پاکستان کے باشندے ہوں یا ہندوستان کے، غرضیکہ وہ جہاں بھی بستے ہوں
 اسلامی زندگی اور روحانی اقدار اور کامل اتحاد و اتفاق کے بغیر ان کی کامیابی امر
 محال ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس نازک دور میں اس صحیح منزل اور نصب العین کو
 ہمیش نظر نہ رکھا تو اقوامِ عالم سے متاثر ہو کر ان کے مادی اور انفرادی جذبات ان
 کی ناک میں نکیل ڈالے انہیں زندگی کی مختلف مگر غلط اور غیر اسلامی شاہراہوں پر
 دھرا دھر لیلیے پھریں گے۔ کبھی تو مادی تصورات کی ان حسین مگر جملک دلوپوں
 میں اور کبھی دنیا کے پائندہ تخیلات کی ان نگاہ فریب اور ہلاکت آفرین
 مناظر میں، وہ مادیات اور مغزیت کے جذبات میں بہہ کر آج کچھ کر دیں گے اور
 کل کچھ۔ اور جس قسم کا نظریہ اور جذبہ ان کے دل میں موجزن ہو گا، اسی قسم کی آواز
 زبان پر آئے گی۔ نہ تو وہ رہبر کو پہچانیں گے اور نہ راہزن کو، اور مطلب پرستی کے
 کے غیر سعید بت ان کو خیر خواہ اور بدخواہ میں کوئی فرق نہ بتائیں گے۔

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہ و کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ سب کو میں

کیا اُمتِ مسلمہ کی یہ انتہائی نازک اور ناگفتہ بہ حالت علماء کرام، اربابِ اقتدار

اور درود مل رکھنے والے مسلمانوں کی توجہ کے لائق نہیں کیا مساجد کی کسی پرسی ،
غائر و روزہ سے لاپرواہی اور بہت سے شعائر دین سے غفلت حتیٰ کہ بعض اصول
دین اور ضروری عقائد سے عوام کی جہالت اصلاح کی محتاج نہیں کیا خالص توحید
اور صحیح سنت سے اکثر مسلمانوں کی بے نیازی اور تعلیم دین سے بے اعتنائی و علم اراض
مستی تغیر و تبدل نہیں کیا اب وہ وقت نہیں کہ مسلمان اپنے تمام اندرونی اور بیرونی
مادی اور فروعی اثرات سے دلوں کو آزاد کر کے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اٹھیں بغیر
کے آسے اور سارے پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں بلکہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو
کر اٹھیں اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر بھی نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی
نصرت اور مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اٹھیں۔ صرف قومیت اور وطنیت کا جذبہ
لے کر نہیں بلکہ حزب اللہ اور جند اللہ بن کر اٹھیں اور اپنی جاہ و شوکت اور
سلطنت و حکومت کے لیے نہیں بلکہ اعلائے حق اور خالص اسلام کی
نشر و اشاعت کے لیے اٹھیں۔ ملک گیری اور مٹا ٹھ باغڈ کی زندگی کے لیے
نہیں، رضائے حق اور شوکت اسلام کو اپنی آخری منزل سمجھ کر اٹھیں اور قرآن
سنت کی شمع فروزاں حق گوئی اور اخلاق فاضلہ کی شمیر ہاتھ میں لے کر ہر قسم
کے فتنہ و فساد و شر کا قلع قمع کر کے اسلام کو روشن کریں اور اللہ تعالیٰ ہی
کے دین حق کو نافذ کر کے دم لیں۔

حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ
مِلَّةً لِلَّهِ (پ۔ الانفال - ۵)

یہاں تک فتنہ یک سر ختم ہو جائے اور دین
خالص اللہ تعالیٰ ہی کا نافذ ہو کر رہ جائے
جملہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی کوشش اور سعی تبلیغ دین اور اشاعت اسلام

پر مرکوز کر دیں حتیٰ کہ سب گمراہ اور بے ہوشی ہوئی دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے اور اس مادی
دور کے پیدا کردہ وہ تمام مصائب و تکالیف، وہ سب الجھنیں اور غلط طریقے جن کے
ناپید اکابر عبور میں سب دنیا الجھ کر رہ گئی ہے یکسر ختم ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کی بھلائی
ہوئی مخلوق روشنی کے اس عظیم الشان اور بلند منار سے فائدہ اٹھائے جس کو حبلا اللہ
کے پیارے الفاظ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ صحیح
اسلامی طریقہ اور اسلامی انداز فکر کو بروئے کار لاکر اپنے لیے بہتر دینی اور روحانی ماحول
اور سازگار فضا پیدا کریں۔ یہ آرزو ہر درود مل رکھنے والے مسلمان کے قلب مضطرب میں موجود
ہے کہ دینی اور روحانی، اصلاحی اور تعمیری کاموں میں کوئی ایسا منتظم اور محموس مگر
زود اثر اور بے لوث لائحہ عمل جلد از جلد مرتب کیا جائے، جو خلوس و سبائی، غنی و
استقامت سے مذہب و ملت اور قوم و وطن کی اسلامی اور روحانی بہتری کے لیے
تمام نیک عزائم کی کامیابی اور شادمانی کا ضامن ہو سکے اور زندگی کے ہر شعبہ اور پہلو
میں دینی اور مذہبی، روحانی اور اخلاقی بیداری کے عام نیک آثار نظر آنے لگیں اور
اللہ تعالیٰ کی رحمت کچھ عید نہیں کہ اسلام کی سر بلندی کے لیے وہ بہتر سے بہتر اسباب
پیدا کرے۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ

دیکھ گاہ بے نیاز میں لے دو کیا نہیں

و سب سوال جانب خالق اٹھا کے دیکھ

طریق تبلیغ

دین حق کی تبلیغ اور نشر و اشاعت انتہائی محبت و اُلفت بھری اور سوزی کے ساتھ کرنی چاہیئے اور دین و مذہب کے معاملہ میں ہرگز کوئی جبر واکراہ روا نہیں رکھنا چاہیئے اس لیے کہ عقیدہ و مذہب کا قبول کرنا اور رد کرنا ایک اختیاری معاملہ ہے۔ اس میں تعدی اور تشدد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ داعی حق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ وسعت ظرف، عالی حوصلگی، شرافت نفس، اخوت اور دلگدزی کے ساتھ اپنے بھوئے ہوئے اور غافل و بے خبر بھائی کو محض نامحاذی طریق پر نیک صلاح دے اور ابدی فوز و فلاح اور بھلائی کی طرف بلائے اور بدی اور بدکرداری کی بری عاقبت اور بد انجام سے آگاہ کرے، اس کو بلا وجہ کسی معاذ حق کے ساتھ الجھ کر حکمت و موعظت کا ذریعہ نہ بنے مگر فطرانہ انہیں کرنا چاہیئے مگر تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں اس راستہ کے مسافر کو کبھی سمجھا بعض معاذین کے ساتھ اپنی زندگی میں منظرانہ انداز میں اہنام و تقسیم، تبادلہ خیالات اور بادل لائل اثبات حق اور اللہ باطل سے بھی ضرور کام لینا پڑتا ہے اور اس وسیع مگر دشوار گداز گھاٹی کے تیج و دریچہ اور تنگ موڑوں پر بھی گزرن پڑتا ہے جن میں عقائد و اعمال، اخلاق اور معاشیاسیات معاشرت وغیرہ سے متعلق اظہار خیال اور بحث مباحثہ بلکہ بسا اوقات اس سے بھی آگے نکل کر مجادلہ اور مبارکہ کی نوبت بھی آجاتی ہے جس میں احیاناً آدمی سے اپنی بات کی تائید اور دوسرے کے دعوے کی تردید میں عدل و انصاف اور متانت و سنجیدگی

ضرر شہ نہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور مخاطب کو بھی اس بے موقع اور نامناسب انداز گفتگو سے متاثر ہو کر عقل و دانش اور عدل و احسان کی حدود سے نکل کر ظلم و تعدی کا غلط اور طیشوا راستہ اختیار کر لینے کا موقع مل جاتا ہے اور ایسے داعی کے درشت لب و لہجہ اور کج بخشی سے اکثر فتنہ و فساد اور شر و عدا کا ایسا خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے جس کا بسا اوقات آسانی کے ساتھ اندھا بالکل نا ممکن ہو جاتا ہے۔

تبلیغ اسلام چونکہ ایک نہایت مبارک اعلیٰ اور پاکیزہ فریضہ ہے جس پر ابدی اور سرمدی فوز و فلاح کا مدار ہے، اس لیے تبلیغ اسلام کے لیے ازل بس نہایت ہی ضروری ہے کہ وہ بیکر عفو و کرم ہو کر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھے ہوئے اور مؤثر طریقہ سے بھٹوس اور قطعی براہین اور اولہ کے ساتھ اسلام کی صداقت اور نہایت کو اس کے اصلی حدود و خال کے ساتھ ہمیشہ کرے۔ تبلیغ اسلام کی خوش نما اور مضبوط عبارت کے استوار ہونے اور اس کی تحقیقی روح، عالمگیر شہرت اور حیات ابدی کا راز ہی یہی ہے۔ پس ہر ایک داعی حق اور مبلغ اسلام کا یہ اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ پیغام ربانی تو سنئے، فلاح داریں اور نجات مومنین کی دعوت تو پیش کرے، اسلام کی نشر و اشاعت اور سر بلندی کے لیے ہر قسم کے ممکن و مفید اور مؤثر و داعی و اسباب تو اختیار کرے، لیکن ایسے انداز سے کہ جو شخص بھی متانت کے ساتھ اسلام کی معقول اور فطری تعلیم کو سنئے اور پڑھے تو اس پر فروغ و ترقی اور گرویدہ ہو کر حلقہ تجوش اسلام ہونے پر اپنے کو مجبور پائے اور اس کا دل اور ضمیر اس کو قبول کرنے کی پُر زور اپیل کرے۔ دعوت و تبلیغ اور نصیحت و موعظت کا یہ مبارک کام اگر اسی نج پر جاری رہا تو ریت کے ڈھیر کے اندر سے پوشیدہ فولعی ذرات کی طرح عمدہ صلاحیت کے مالک خود بخود اُڑ اُڑ

کر مٹا دیں حق و صداقت سے آملیں گے اور مرکزِ رشد و ہدایت کے گرد جمع ہو کر لگے ہنی دیوار اور ستارہ سکندری ثابت ہوں گے۔ حق پرستوں کی یہ مخلص جماعت سلسلہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار محسوس ہوگی کَاذِبُهُمْ بُنْيَانٌ مِّنْ مَّصُونٍ۔ اور اس دیوار سے ٹکرائے والا خود پاش پاش ہو کر فنا ہو جائے گا۔

شعلہ بن کر چھوٹ نک مے خاشاک غیب اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

حکیم علی الاطلاق، مالک کائنات اور رب ذوالمنن نے تبلیغ اسلام کا جوا حسن طریقہ اور اس کے درجات بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ:-

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ دَعْوَتِ مے اپنے رب کی راہ کی طرف مضبوط
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَاوِزْهُمْ باتیں سمجھا کر اور نصیحت مٹا کر اچھی طرح اور
يَا أَيُّْهَا أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الزَّامُ مے ان کو جس طرح بہتر ہو بیشک
أَحْكَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِمْ وَهُوَ تَرْتِيبِ بہتر جانتا ہے ان کو جو گمراہ ہوئے
أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت
(سپلہ - النحل ۱۶)

یعنی جب اسلام کی تبلیغ و دعوت کا بہترین اور عمدہ فریضہ انجام دیا جائے تو اس کے لیے ان تین ذرین اصول و قواعد کی پابندی اور التزام از بس لازمی اور ضروری ہے اگر ان ضوابط کو پیش نظر نہ رکھا گیا تو بہت ممکن ہے کہ اس مقدس اور پاکیزہ فریضہ کے لیے سخت دشواریاں اور بے حد رکاوٹیں پیدا ہوں اور بجائے فائدہ کے نقصان اور بجا کئے کشش اور جاذبیت کے تنفر پیدا ہو۔

① اس مقدس فریضہ کی پہلی کڑی تو الحکمۃ ہے۔ یعنی نہایت بخیر، مضبوط اور حکم مضامین اور روشن تر دلائل اور واضح ترین براہین کے ساتھ ناصحانہ اور حکیمانہ انداز سے سمجھے ہوئے اور نہایت مؤثر طریقہ سے مخاطب کو حق سمجھایا جائے اور اسلام کے عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرہ سے اُسے روشناس کرایا جائے اور عزم و ہمت کے ساتھ اس کو ہر طرح سے اطمینان دلایا جائے تاکہ اسلام کے حکم اور فطری عقائد و اعمال اور مژوں و مناسبات اخلاق و معاملات اس کے سو یاد آئے قلب میں اُتر کر بیوست ہو جائیں۔ جن کو سن کر ہر عاقل و فہیم اور علمی ذوق و شوق رکھنے والا بشرطیکہ وہ حق کا متلاشی بھی ہو، سر تسلیم خم کرے، اور وہ اچھی طرح یہ محسوس کرے کہ دنیا کی مختصر اور مہموم منطق اور خیالی فلسفے وحی الہی کے مقابلے میں نہ تو ٹھہر سکتے ہیں اور نہ صرف گیری کر سکتے ہیں اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ حق و تلقین اور تبلیغ و تلقین کے اس مرحلہ پر افہام و تفہیم کے اس مؤثر اور معقول ذریعہ سے کچھ سعید و معین ضرور متاثر ہوں گی اور خسران و نامرادی کی راہ سے ہٹ کر فلاح و سعادت کی تلاش و جستجو میں ریاحین کامیابی اور لبائین کامرانی کے صراطِ مستقیم پر ضرور گامزن ہوں گی اور اس فوری اور آنی انقلاب کے بعد خلافتِ اسلام کسی عقیدہ اور عمل کو سننے کی طاقت ہی وہ اپنے اندر نہیں پائیں گی اور غیر اسلامی زندگی سے انہیں ایسی نفرت ہو جائیگی کہ مہربان اور شفیعِ مال اور باپ سے بھی وہ کفر و شرک اور بدی کی کسی بات کو سنا کر اور انہیں کریں گی اور ایسی ہر غلط بات کو وہ یہ کہتے ہوئے ٹھکرادیں گی کہ اب تو ہمارے کانوں میں اس کے پیسے قوت، شوائی ہی باقی نہیں رہی لَوْ كُنْتُمْ حَقِیقَتِی کہ اسلام کا عشق و محبت ان کو اس امر پر مجبور کرے کہ وہ ماوریت کی تہ بہ ظلمت اور

تاریکی سے نکل کر روحانیت اور عالم بالا کی طرف ایک جست لگائیں اور اپنی سابق بے پرواہی کا کارہ زندگی پر آئینہ بانی ہوئی یہ کہیں کہہ

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

⑤ اس مبارک کام کا دوسرا مرحلہ الموعظة الحسنة ہے کہ ایسے مؤثر اور رقت انگیز طریقہ بہترین اور عمدہ امثال، بیش بہا اور خوش آئند وعظ دہند، عبرت آموز واقعات اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ اُس کے کانوں میں آواز حق پہنچائی جائے جن میں دوسری اور نرم غوثی کی روح بھری ہو اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ لمبا اوقات صحیح اخلاص و ہمدردی، شفقت اور حسن اخلاق کا اعلیٰ ترین پتھر دل کو بھی موم کئے بغیر نہیں چھوڑتا جس سے مژدہ روحیں زندہ ہو جاتی اور دلوں کی اچھڑی ہوئی بستیال دفعۃً آباد ہو جاتی ہیں اور بعض طبعیں تو ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر ساحل مرا کی طرف بیتابانہ دوڑنے اور ہم سہی کرنے لگ جاتی ہیں اور خصوصاً وہ لوگ جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے لیکن طلب حق کی دہلی ہوئی چنگاری اپنے سینہ میں رکھتے ہیں، ان کو ایسے دلکش ماکوت اور رقت آمیز وعظ و پند سے ایسا بہتر اور جلدی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو کسی عالم ربانی کی بلند اور عالی پایہ عالمائے تحقیق کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو بلند پایہ اور جامع مثالوں کے ساتھ ہی تسکین اور تسلی حاصل ہو سکتی ہے، اور وہ ٹھوس اور تدبیری واقعات اور حالات کو سن کر ہی اسلام اور اسلامی زندگی کے ساتھ مانوس ہو سکتے ہیں اور اسی طریقہ سے اسلام کی صداقت اور سچائی کی روح اُن کے ذہن نشین ہو کر اُن کے دل میں اُتر سکتی ہے، بقول کسے

۴ شاید کہ اُتر جائے تر سے دل میں میری بابت

ایسے حق پسند لوگوں کے دلوں پر ہلکا سا پردہ ہوتا ہے جو انہی اور آفاقی دلائل اور یتبات دیکھ کر اور حسرتی اور معنوی طور پر الموعظة الحسنة سے مستفیض و مستفید ہو کر ساعران فرعون کی طرح دجن کے قلوب پر کھڑو چرود کا خفیت سا پردہ تھا۔ مگر عصائے موسیٰ کا خدائی کرشمہ دیکھ کر وہ پردہ نازل ہو گیا اور بخود اُتر جاتا ہے۔ پھر ان کو تختہ دار اور فرعون قسَم کی دہکیاں دُنیا کے ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز کر دیتی ہیں اور اپنے دل و جان ظاہر و باطن کو اسلام پر نثار و قربان کرنے کے لئے جان عزیز کو بھیلی پر لیے پھرتے ہیں اور وہ ہر صیدت اور صعوبت کو یکے کے خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں کہ لَنْ يَفْزِنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ یعنی عی ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہو

③ جلال احسن

اس پاکیزہ فرض کی آخری منزل و جہاد بِالَّتِي هِيَ احسن ہے کہ جب دعوت حق کا منادی اور مبلغ اسلام اچھی طرح یہ محسوس کر لے کہ یہ پہلی بین کردہ دونوں صورتیں اور منزلیں اس سرکش اور متروک کے لیے سودمند ثابت نہیں ہوئیں اور وہ اپنی فطرت بد اور سوء استعداد کی وجہ سے بکثرت و مباحثہ بلکہ مکابرہ و مجادلہ کے لیے آماوہ ہے تو وہ اس تسیری شوق کو اختیار کرے اور اس ناپائدار اور فانی زندگی میں ہمیشہ سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں اور بظاہر تا قیامت رہیں گے۔ جن کا مقصد و حیدم صحیح اور سیدھی سادی بابت کو اُلجھانا اور ہر چیز میں کٹ حجتی اور کج سمجھی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یہ معاند و باغی نہ تو حکمت اور دانائی کی باتیں

قبول کرتے ہیں اور نہ رقت الیگز اور نہ ٹورٹو ویلن و غلط و پند ہی سہتے پر آمادہ ہوتے ہیں بلکہ وہ انسانی اور امکانی کو کشش کو بروئے کار لا کر حق سے گریز اور پہلو ہٹاتی کرتے ہوئے بقول شخصے "خوئے بدر بہانہ جاتے بسیار" ہر بات میں بے باج بحث و مباحثہ کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہل فہم و انصاف اور صاحب تقویٰ و دیانت اور حق کی طلب و جستجو کرنے والوں کو بھی کچھ سطحی قسم کے شکوک و شبہات گھیر لیتے ہیں اور وہ ان میں الجھ کر رہ جاتے ہیں کہ بدون بحث و گفتگو کے ان کا اطمینان نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے لیے ارشادِ ربانی یہ ہے کہ مبلغ اسلام ان کو فراخ دلی اور وسعت قلبی کے ساتھ موقع دے تاکہ ہر مجادل اپنے باطل ملکا پر بزمِ توحش جہد عقلی اور قلبی دلائل و براہین پیش کرے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کو بلا تردد ظاہر کرے تاکہ اُس کے دلائل کی کائنات اور ان کا طعل و عرض اور عنق بھی بیک نگاہ دیکھ لیا جائے۔ پھر داعیِ سبیل رب غیظ و غضب اور غم و غصہ سے بے نیاز اور بالائے ہو کر عالی حوصلگی اور وسعتِ ظرف کے ساتھ ایک مہربان باپ ایک شفیق ماں ایک ہمداد و ایک خیر خواہ حکیم دُکڑا اور ایک ہی خواہ جراح کی طرح خود اُس روحانی بیمار کی بیماری اور علالت کے اصل اسباب و علل پر دجواس کے زعمِ فہم میں دلائل و براہین سے موسوم ہیں) ہاتھ رکھ کر اُس کی نبض دیکھے اور اس کی بیماری کے مرکزی نقطہ کو کے معقول طریقہ پر اُس سے تبادلہ خیالات کرے۔ اور نہ مذہب و شائستگی، حق شناسی اور انصاف پسندی کے علمہ اصول کو پیش نظر رکھ کر نہایت خوش خلقی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اُس سے بحث و مباحثہ اور احسن پیرایہ میں اُس سے مجادلہ کرے اور اس کی ایک ایک مزرعِ عقلمندی و قلبی دلیل کا تار و پود اس کے

پس مبلغ اسلام اور داعیِ سبیل رب کا یہ اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ

سامنے بکھیر کر رکھ دے، اور اُس کی نامعقول کج بحثیوں کی دجھبیاں فضائے آسمانی میں اڑائے اور ایسے عمدہ طریقہ سے اس کے فرسودہ براہین کے پختہ اُدھڑے تاکہ اُسے مروت و جواب ہو کر ذیہمت اللہ تعالیٰ کھڑے کا سماں خوب اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آجائے اور اس شکست فاش اور حیرت کے بعد بشرطِ انصاف و دیانت وہ اپنے باطل عقیدہ اور ناکارہ عمل کو ترک کرنے اور اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد و اعمال کو قبول کرنے پر علمی اور تحقیقی طور پر مجبور ہو جائے اور اس کا دل اسلام کی حقانیت اور صداقت پر شہادت دے اور وہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بے نیاز ہو کر حق یقین کے منہمک بلند پر پہنچ کر خود اپنی ہی زبان سے لفظِ حقیقہ کے الفاظ سے صداقت اسلام کا اقرار کر لے اور اقرار بھی اس عزم و ایقان اور جزم و اذعان کے ساتھ کہ ہر قسم کے لازم خیر و عفو و ان اور ہر قسم کی جانی اور مالی تکلیفیں اور صعوبتیں اس کے پائے استقامت میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہ کر سکیں اور اُس کے دیکھنے والوں کو بھی قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُمَّ اسْتَعِزْنَا بِكَ اَنْ نَّعْمَلَ عَمَلًا نَّحْزَنُ مِمْتَہ میں آجائے۔ مگر یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اپنے درمقابل گو الزام دے تو بہترین اسلوب سے، خواہ مخواہ دل آزار اور جگہ حراش باتیں اور ترمیم و تیغ لب و لہجہ ہرگز نہ اختیار کرے جس سے درمقابل کی طبیعت میں بکائے سلجھاؤ کے اُلجھاؤ اور بجائے قُرب کے بعد اور بجائے انابت کے اعراض اور بجائے محبت کے نفرت راہ پائے اور معاملہ بلا وجہ طول کھینچے۔ کیونکہ اصل مقصود تو افہام و تفہیم اخلاقی حق اور الباطل باطل ہے نہ کہ بد اخلاقی و بد زبانی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی۔ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّنَا

اپنے مد مقابل کو اسلام کے محاسن و فضائل سنا اور سمجھا کر اُمتِ مسلمہ کے اندر ملانے اور جذب کرنے کی پوری کوشش اور کما حقہ کوشش کرے تاکہ اُسے اپنے باطل عقائد و اعمال وغیرہ سے علیحدگی اختیار کرنا دشوار نہ نظر آئے اور اپنے خویش و اقارب بھائیوں اور عزیزوں اور والدین و اولاد سے عقیدۂ و عملاً جدا ہونے کو وہ اپنے لیے باعثِ صدمہ و افتخار سمجھے اور مسلمانوں کی بے پناہ اخوت و بہمدی اور مکارمِ اخلاق سے متاثر اور سرشار ہو کر بلا تامل اُسے قَاصِدِ حُجَّتِہِ بِغَضَبِہِ اِخْوَانِہِ کی تفسیر سمجھ میں آ سکے اور وہ یہ محسوس کرے کہ جس مبلغ کی شکل و صورت کو میں سب سے بدتر سمجھتا تھا اب تو وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب و پیاری معلوم ہوتی ہے اور جس کو میں اپنا ذاتی اور اور مذہبی دشمن گردانتا تھا وہی تو میرا مخلص خیر خواہ اور ہمدرد ہے اور جو خود جہالت کی بنا پر جس کی بات سننے پر میں آمادہ نہیں تھا، وہی تو آغزِ میرا گرا و درست اور مخلصِ رِضیق ہے کَافُّہُ وَلِیُّ حَکِیْمِہُ جس کی بدولت مجھے حیاتِ ابدی اور نجاتِ سرمدی حاصل ہوئی ہے۔

فروغِ مخالف کے معبودوں کو سب و شتم نہ کرنا چاہیے۔

لیکن یہ اس پر بھی واضح ہے کہ اس تمام بحث و نظر اور گفتگو و دعوت میں مبلغِ اسلام اپنے مد مقابل کے معبودانِ باطلہ اور مضر عوم و مقتداؤں کی اس طرح توہین و تذلیل اور طعن و تشنیع نہ کرے کہ وہ مذہبی جنون اور خرد میں اگر خالقِ کائنات اور علمبردارانِ صداقت کی شانِ اقدس اور رفیع میں گستاخی دیے ادبی کرنے لگے اور اس کی بجائی اور مضر اندازِ گفتگو سے غلط تاثر لے کر وہ راہِ راست سے منحرف ہو کر کفر و جحود پر بضد اور مصر ہو جائے اور قبولِ حق سے ہمیشہ کے لیے وہ باز ہے۔ جس کا وبال شاید کہ

داعی کے سر جاتے اور بجاتے اس کے کہ وہ اس کا تعلق اور رشتہ رضائے الہی سے جوڑتا کہیں اس غلط کاری سے توڑنے کا موجب ہی نہ بن جائے۔ ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وارو ہو سکتا ہے کہ :-

وَلَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَدْعُونَكُم
دُونَ اللَّهِ فَتَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ
عِلْمٍ (پ۔ انعام ۱۳۰)

اور تم نہ کرو ان کو جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں
اللہ تعالیٰ کے سوا اور نہ تم میرے لئے گارِ گواہ ظلم
پر کمر بستہ ہو کر جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
کو سب و شتم کرنے لگ جائیں گے۔

یعنی جب تم کسی غیر مذہب کے غلط اصول و فروع، باطل عقائد و اعمال اور بُرے اخلاق و رسوم کی ترمیم کرنا چاہو تو بڑے شوق سے کرو اور اس کو اسلامی فریضہ اور کارِ نبوت کی نیابت سمجھ کر انجام دو اور دیگر اہل مذاہب کے باطل عقائد اور غلط اندازِ فکر پر ان کی کمزوری اور رکاوٹ اور ان کی غرابی و بطلان پر پھوس اور روشن دلائل اور برہان پیش کیے تحقیقی و الزامی دلائل پیش کرو اور ہر ممکن طریقہ سے انہیں غلطی پر آگاہ کرو۔ لیکن غیظ و غضب میں اگر تم کسی قوم و مذہب کے معبودوں اور ان کے پیشواؤں اور مقتداؤں کی نسبت بغرضِ حق و امانت اور بمبدلِ آزادی و جگر خراش کوئی نام معقول اور مناسب اور بُرا کلمہ زبان سے ہرگز نہ نکالو اور نہ سب و شتم کا مکروہ طریقہ اختیار کرو۔

ایسا نہ ہو کہ وہ جوابی کارروائی میں "عقبتِ خُمِ شکستِ دمنِ سرا" کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہیں تمہارے معبودِ برحق اور ربِّ ذوالجلال کو از روئے جہالت و عنف اور اندازِ ضد و عناد گالیال دینے لگیں۔ یاد رہے کہ قابلِ صداقتِ اہم و تنبیہ مقتداؤں اور بزرگوں کی توہین و تذلیل پر کمر بستہ ہو جائیں اور نظریہ ظاہر اس کا

ذبیحہ اور وسیلہ تم بنو، کیونکہ تمہارا موقع تو اپنی زندگی کے ایک ایک گوشہ میں شروع سے اخیر تک ہر مرحلہ اور ہر منزل میں سہل انگاری، نرم خوئی، رقت انگیز اور دل آویز طریقہ سے تبلیغ و تلقین اور نصیحت و موعظت کا بہترین فریضہ ہے، اندک نہ سب و شتم اور شرف و فناء کا منجوس بازار گرم کرنا اور تمہارا کام تو شفقت اور الفت کو محفوظ رکھ کر اقوام عالم کو بشارت و خوشخبری سنانا اور پیادہ و محنت کے ساتھ دین اسلام کی دعوت دینا ہے نہ کہ اپنے سوا کو دار و ترش گفتار سے ان کو دین اسلام کے چشمہ رشید و ہدایت اور منزل فوز و فلاح سے برگشتہ اور متنفر کرنا۔

نرمی کرو، سختی نہ کرو۔

اور ایسے ہی مقام پر حضرت رحمۃ للعالمین نذیر للعلیین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فیض رسال سے یہ ارشاد صادر ہوا ہے (جو اس قابل ہے کہ آپ سے لکھا جائے) کہ:-

بَشِّرُوا وَلَا تُنْفِرُوا وَيُشْرُوا
لَوْ نَفَعْتُكُمْ (اتفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۳۳)

تم لوگوں کو بشارت سناؤ اور متنفر نہ کرو اور نرمی کرو اور سختی نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ (المتوفی ۷۰ھ) سے مروی ہے کہ ایک گنوار دیہاتی اور عربی آیا اور اس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اس کی اس نامعقول حرکت پر اسے مورد طعن و ملامت بنایا لیکن جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نہ روکو، پیشاب کرتے دو دیا تو اس لیے کہ کہیں پیشاب روکنے کی وجہ سے بیمار ہی نہ ہو جائے اور یا بھاگتے بھاگتے ساری مسجد کو پلید نہ کرے) اور جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے، وہاں ضرورت کے مطابق

چند ڈول پانی بہاؤ جس سے جگہ پاک ہو جائے گی۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے یوں خطاب کیا:-

فَانْهَابُ عَنِتَّ مَيْتَرِينَ وَلَا تَبْعُوْا مَعْتَرِينَ (بخاری ج ۳ ص ۳۵۵ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۲)

کہ تم تو زنی کے لیے پیسے گئے ہو نہ کہ سختی کے لیے۔

اور حضرت انسؓ (المتوفی ۷۰ھ) کی روایت میں ہے کہ آپ نے اُسے بلا کر نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھایا کہ:-

انما هي لذكر الله والعقوبة و قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ (الحديث)

مسجد میں تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز اور تلاوت قرآن کریم کے لیے تعمیر کی جاتی (مسلم جلد ۱۳ ص ۱۳۵ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۲)

ہیں (پیشاب وغیرہ کے لیے نہیں)۔

حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ (المتوفی ۸۰ھ) کا کمال ملاح و فیرہ نظر) فرماتے ہیں کہ مجھ پر مسلمان ہونے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا (انی حدیث عہد بجاہلیہ) کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک شخص نے اثنائے نماز میں چھینک ماری تو میں نے نماز ہی میں سیر نخک اللہ کہہ دیا۔ لوگوں نے نماز کے اندر ہی زجر و توبیح کا سلسلہ شروع کر دیا اور انھیں نکال نکال کر مجھے ڈانٹتے رہے اور زور زور سے اپنی رافوں پر مٹھا مارتے رہے۔ میں بھی طیش میں آگیا اور دل نے چاہا کہ میں بھی کچھ کھوں مگر میں خاموش ہی رہا۔ جب نماز سے فراغت ہو چکی تو جناب پیکر عفو و کرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور ایسے ملکہ طریقے سے سمجھایا جس کا خاکہ خود حضرت معاویہ بن الحکمؓ کی زبانی یہ ہے:-

آخری مرحلہ بائیکاٹ

اور اگر کوئی ضدی، سرکش اور ہٹ دھرم الحکمت، الموعظۃ الحسنۃ، الحدال بالقی ہی احسن کے اولیٰ سر نیزہ اور براہین دامنہ کے سن اور سمجھ لینے کے بعد بھی ہلاکت، ایگز انجام اور ابی تباہی و بربادی کے عین آتشکدہ میں کشتاں کشتاں جا رہا ہے اور اپنے کفر و شرک، انکار وجود اور سرکشی و تمرد سے باز نہیں آتا اور حق و صداقت کی پرمغز اور محسوس دعوت کے جواب میں دانش و بصیرت کی تمام ممکن راہوں، ترک کر کے بلا دلیل و حجت انکار اور یکسر انکار پر تکا ہوا ہے اور حق و صداقت کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت اور مصابحت کا کوئی شائبہ اور شاہدہ اس میں نظر نہیں آتا اور وہ منافقت اور معاندت کی تاریک چار دیواری میں محصور ہو کر باطل کو حق پر اور کفر کو اسلام غالب اور منصور کرنا اور دیکھنا چاہتا ہے اور اپنے تصالب و تعصب کے نشہ میں بدست ہو کر بہت پذیری اور حق پسندی کی تمام فطری صلاحیتیں کھو بیٹھا ہے، اور سرکشی و غواہی کے نام پر اور عواقب شر سے یکسر بے خبر اور بے پروا ہو کر دلائل ساحلہ سے اس کی آنکھیں اور صدائے حق سے اس کے کان محروم اور مسدود ہو چکے ہیں اور انکار و کفر کی مٹرائیں اسے دل پر ثبت ہو چکی ہیں اور سامان رشد و ہدایت کی تمام وسیع اور گناہ و راہیں اس نے اپنے اوپر مسدود کر لی ہیں اور اس کی تمام حلاوت و عقلی قوتیں اس کی بدکرداری اور شرانگیزی کی وجہ سے مفلوج ہو چکی ہیں تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی رہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسے صاف، صریح اور غیر مبہم الفاظ میں کہہ دو کہ تم اپنی راہ چھوڑو اور ہم اپنی راہ پر گامزن ہیں تم اپنے طریق پر عمل کرتے جاؤ اور ہم اپنے طریق پر عمل پیرا ہیں۔

لیکن دین پر قائم رہو اور ہم اپنے دین پر قائم و دائم رہیں۔ لکن دین کھو دینی دین۔

فباہی ہوا می مارایت معلما قبلہ
ولا بعدہ احسن تعلیمنا منہ فواللہ
ما کھرنی ولا ضرر منی ولا شتمنی
مسلّم جہاد - البوعوانہ ج ۲ ص ۱۸۸
و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۸

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں
نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسے بہترین طریقے
پر تعلیم دینے والا کوئی اور نہیں دیکھا بخدا
تو آپ نے مجھ پر سختی کی اور نہ مارا اور
نہ مجھے برا کہا۔

بتلخ اور معلم کا جو عمدہ نمونہ ان صحیح احادیث میں قوی اور عملی طور پر جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے، کیا ایک مثلاً شری حق اور منصف مزاج کو گرویدہ
بنانے کے لیے کافی نہیں؟

اسی زریں اصولوں کے تحت یہ عالمگیر اور سچا مذہب دنیا کے چپے چپے پر پھیل
ہے جس سے انسانیت کے خشک پتوں میں جان پڑ گئی اور روحانیت کے مرجھائے
ہوئے پھولوں میں از سر نو تازگی اور شگفتگی آگئی۔ توحید خالص کے شگوفے کھلتے رہے۔
اور سنت کی کیاں ممکن رہیں۔ قال اللہ و قال الرسول کی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس و
لطیف جھونکے بھر اسلام کی شانوں میں لچک اور اعمال صالحہ کے پھولوں میں جنبش
پیدا کرتے رہے۔ اخلاقی فاضلہ کے خشک چٹنے حیات تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل
ہو گئے۔ جمہوریت اور عرانیات کے سبزہ پاہاں میں پاکیزگی و لطافت پیدا ہو گئی اور تنزیہ
و تقدس کے پڑمردہ پھولوں پر موسم خزاں ہی میں پھر سے بہار آگئی اور یہی اسلام
کی خوبی ہے ورنہ

بہار کے موسم بہار ہی اُبلتی ہے
مردہ تو جب ہے خزاں میں بہار پیدا کر

نہ تو ہم تمہارے ساتھ اُبلتے ہیں اور نہ تم ہمارے ساتھ دست و گریبان ہو مگر انجام کار
دیکھ لینا کہ تم کہاں پہنچے ہو اور ہم کہاں؟ آخر وہی عقاب و منار تو ایک یقینی امر ہے،
جس سے کسی مجرم کا کوئی مفلس اور چھٹکارا ہی نہیں ہے، لیکن اس دنیا ہی میں دیکھ لینا
کہ تم کہیں بارش کی طغیانوں میں مبلوں کی طرح بہتے ہو یا کوہ آتش فشاں کی شعلہ باریں
سے لکھ کا ڈھیر ہوتے ہو۔ تم آندھی کے جھکڑ اور طوفان میں خس و خاشاک کی مانند
اُڑتے ہو یا صاعقہ اُذا کرکٹ اور قیامت خیز زلزلہ کے دھماکوں سے زمین دوز گھٹتے
ہو۔ تم پر قوم طوطی کی مثل آسمان سے پتھر رستے اور زمین کو تہ و بالا اور زیر و زبر کرینوال
عذاب آنا ہے یا قارون کی طرح بمع مال و دولت کے تم زمین میں دھنسنے ملتے ہو،
تم قوم فرعون کی مانند دریا میں غرقاب ہوتے ہو یا ہولناک اور خطرناک آواز سے تمہارے
دل شق اور جگر پاش پاش ہو گئے ہیں۔ آخر آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار
اور نشانات تو کہیں کہیں موجود ہیں، انہی کو دیکھ کر تم ان کی تباہی و بربادی کا تصور
کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم خواب غفلت میں محو نہیں ہو چکے۔ ورنہ یہ سب کچھ۔

خواب تھا جو کچھ کہہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اگرچہ خود ان معتذب اقوام کے اجسام و ابدان اور ان کی بیخ و بنیاد تو باقی نہیں ہی
کیونکہ جَعَلْنَا مَثَلَهُمْ آخِذِينَ مَثَلٍ مِثْلُ آبٍ مِثْلِ مَرَجٍ مِثْلِ مَرَجٍ مِثْلِ مَرَجٍ مِثْلِ مَرَجٍ
تمہارے لیے اس لیے مقدم ہو چکی ہے کہ تم نے شرفِ انسانیت کو کفر و جود و رافت و
فنا و کاسرچند اور ذائم و قباح کا گوارہ بنا رکھا ہے تمہارا دماغ مفلوج ہو
چکا ہے۔ تم عجیب کو مہنر، دوست کو دشمن اور تریاق کو زہر سمجھ رہے ہو۔ اس لیے اب
تمہارا انجام ابھی موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب تمہاری حالت زار پر آنسو بہانا بیکار

اور اصلاح کی تدبیر سوچنا بے سود۔ تمہارا دل پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو چکا ہے
فہمی کا لُحْجَاةٌ اَوْ اَمْتٌ مُّسْتَوِیَةٌ اور اتنے مسلمان ہدایت کی موجودگی میں تم پر کچھ
اثر ہی نہیں کوئی نصیحت و نمائش تمہیں کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ چھترہ پر
جو تک نہیں لگتی، اور جس وقت تمہاری زلیخ نظر اور اعوجاج نگاہ کی تمام خود فریبیاں
اور دسیہ کاریاں، مکاریاں اور بہانہ جوئیاں بالکل نکھر کر سامنے آجائیں گی تو دیکھ
لینا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا فیکہ کھویا اور ملاحظہ کر لینا کہ تمہاری محبت و مودت کن لوگوں
کے ساتھ قائم رہی اور فی الواقع تمہیں کن کے ساتھ تعلق استوار رکھنا چاہیے تھا۔
یاد رکھو یہ حقیقت بھی ایک دن آشکارا ہونے والی ہے اور خود تمہیں اپنی اس
مشرقی زبان سے غیر مبہم اور واشگاف الفاظ میں اقرار کرنا پڑے گا کہ کاش میں رسول
برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح راستہ اختیار کر کے ان کی محبت حاصل کرتا اور فلاح
گمراہ اور ضال اور مضل و درست کا ساتھ ہرگز نہ دیتا۔ یقین رکھو آخر وہ دن بھی تو آنے
ہی والا ہے۔

وَلَا تَكُنْ مِثْلَ نَارٍ تَلْقَیْ سَیِّئًا مِثْلُ نَارٍ تَلْقَیْ سَیِّئًا مِثْلُ نَارٍ تَلْقَیْ سَیِّئًا
اور جس دن کاٹ کاٹ کر کھائے گا گندگار
اپنے ہاتھوں کو، کینا گائے کاش کہ میں رسول
کے راستہ پر چلا ہوتا۔ لے خرابی میری کاش کہ
میں نہ پچھتاؤ فلاح کو دوست۔
(دہقان - ۱)

اب دنیا کی اس شربت تاریک و سیاہ میں گمراہی و ضلالت کی جس زلفِ گروگیر
سے تم چاہتے ہو عشق و محبت، دوستی اور مودت قائم کرو اور جس کو تم چاہتے ہو
جانی عزیز اور متاعِ دل سے ڈالو اور جس کے پاس مناسبت سمجھتے ہو عقل و فہم کو

گروہی اور رہیں رکھ دو بلاخر ایک دین ایسا ہی ضرور آنے والا ہے جس میں حقیقت
خوب نکھر کر سامنے آجائے گی اور سہ

لوقت صبح شود ہجو روز معلومت

کہ باکہ باخستہ عشق در شب دیدم

پس لے منکر حق و صداقت اُس وقت دیکھ لینا کہ ہمارا کاروان رشد و ہدایت
فوز و فلاح کی کس جودی پر جا کر نکلتا ہے، اور رحمت حق کی بے صوت صدا کس کو بکار
پیکار کر کلید کامرانی اور نوید شادمانی دیتی ہے۔ خلافت ربانی اور نمکیں فی الارض کی
نورانی چادر فرشتہ صحرایہ کس کے لیے لپیختی ہے اور صوبہ اذان کی شمیم جاں نواز نسیم
صبح گاہی کے غیر غمخس جھونکوں کے ساتھ فضائے عالم کو کس کے لیے معطر کرتی ہے؟
اور باوجود ظاہری بے سرو سامانی کے کس کے اشارہ ابرو سے دنیا کی سلطنتوں کے
نقشے بدلتے ہیں اور سلاطین عالم کے زبرجدی کے تخت اور ان کا بڑھنا ہوا اقتدار
ترو بالا ہوتا ہے اور کس کے لیے ان کی مہیب اور مولناک طاقتیں جو آراستہ
سلمانوں اور رشک فرودس ایوانوں منظم اور کثیر فوجوں کے بل بوتے پر کھڑی ہیں
زیر و زبر ہوتی ہیں؟ اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ جب روحانی سلطنت و
حکومت جلوہ گر ہوتی ہے تو تمام مادی حکمرانیاں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی
ہیں۔ آخر کمال ہے وہ قوم جس نے اَمْنٌ اَشَدُّ مِنْ قُوَّةٍ کا منجبرانہ اور باغیانہ
نعرہ بلند کیا تھا اور کمال ہیں وہ فوق العادۃ صنائعوں کی ترمذ اور دراز قد قوین جنہوں
نے پیادوں کو موم کی طرح تراش تراش کر ان میں محل و قصور اور بیوت مسکن
بنائے تھے؟ کہاں ہیں وہ صاحب اقتدار قومیں جو تاج و تخت کے جبروت

کے ساتھ اُفتی عالم پر چمکیں اور اپنے اقتدار کا سکہ اور لوہا منار دُنیا سے رد و پوش ہو
گئیں؟ اور کمال ہے یونانیوں اور کلدانیوں کی منطق و فلسفہ کی وہ قوت و شوکت جس
نے صدیوں قلوب و اذنان پر استیلا قائم رکھا؟ اور کمال ہے قیصر و کسریٰ کی حریت
انجیز طاقت و سطوت جس کے نام سے دُنیا بھڑکی تھی کیا آج سطح ارض پر یکیں اُن کے
وجود اور جسم کا کوئی احساس کیا جاسکتا ہے؟ یا کوئی ادنیٰ سا نقش قدم بھی ان کا پستہ
دینے والا ہے؟ هَلْ تَحْسُ مِنْهُمْ مِثْلَ أَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا
(سپت - مریم - ۶۰)

پس لے منکر توحید و رسالت اور لے جامعہ شرف و نشر اور لے باغی قرآن و
حدیث! ملاحظہ کر لینا کہ فتح و نصرت کس کے حصہ میں آتی ہے اور مسرت و خوشی کے
شادمانے کس کے لیے بچتے ہیں؟ مگر یاد رکھنا کہ ارشاد خداوندی تو یہ ہے :-
وَ اِنْ جِئْتُمْ نَا كُمْ مِّنْ الْغَٰلِبِیْنَ فَوَجَّہْ لَہُمْ اَوَّلَیَّہُمْ اَوْ اٰخِرَیَّہُمْ اَوْ اَمَّا بَیْنَهُمَا فَاٰخِرُہُمْ

(۲۳ - الصافات - ۵۵)

اور معلوم کر لینا کہ عرشِ جہنم کے ارد گرد مقربین فرشتوں کا معصوم طائفہ اور گروہ
کس کے لیے استغفار کا زمزمہ تبریک پیش کرتا ہے اور سدرۃ المنہبی پر سنہری پرواہ
و جد و سرور میں اگر کس کے لیے رقص کرتے اور کس کے لیے والہانہ اور عقیدہ مندانہ
استقبال کرتے ہیں اور محابہ کر لینا کہ ایمان و اسلام کا ابر کرم کس کی آنکھوں کا نور بن
کر بساطِ ارضیٰ اور فضائے آسمانی پر چھا کر وَاللّٰہُ مُسْتَمِیْمٌ نُورٌ کا وجد آفرین منظوم پیش
کرتا ہے اور رگ کائنات میں روحانیت اور تقویٰ کی نبض حیات کس کیلئے پھر متوج
ہوتی ہے اور اندازہ کر لینا کہ نرم و نازک، خوبصورت اور خوب سیرت عوریں کس کے

لَمْ يَخُنْ مَخَالِدَاتٍ فَلَا يَنْتِزِعُ كَفْشَ لَيْلٍ وَأَمَّا طُلُوبِي لِمَنْ كَانَ لَنَا وَ
مَنْ لَنَا كَيْفَ يَكُونُ وَجَدَ أَفْرِينَ نَعْمَ بَلَدٌ كَتِي هِيَ أَوْ كَسْ كَيْفَ شَجَرَةُ طُلُوبِي بِرِ
فَصَسَاتِ الطَّلَفِ أَوْ نَازِنِينَ جَهْلًا جَهْلِي هِيَ أَوْ أَشْكَارًا هُوَ جَانِ كَاكَ جَنَّتِ
فَرُوسٍ أَوْ غُلَبَرِينَ كَيْفَ دَارِي كَسْ كَوْسَلًا مَرَّ عَلَيْكَ طَبْعُهُ كَيْفَ زَنْدُكَ بَلْشِ أَوْ مَوْجِ
أَفْرَا تَحْنُ يَسِيشِ كَرْتِي هِيَ -

غرضیکہ اے کفر و جحود کے دلدلہ! تم بھی دنیوی اور افروری خُمران کے
منتظر ہو اور ہم بھی دنیا و عجبی کی فتح و نصرت اور کامرانی و شادمانی کے بے چینی اور
بے قراری سے منتظر ہیں۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا
عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ۝
اَسْتَظْلِمُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ (پہلا، ہود-۱)

مگر اے خاکی انسان! تو شرفِ انسانیّت کو کیوں فراموش کر چکا ہے؟ تیرے
پیہ تو ربِّ قدیر نے اپنے معصوم فرشتوں کو بھی جھکا دیا تھا۔ تو اس عمن اور مرہان
آقا کے سامنے جھکنے پر کیوں آمادہ نہیں؟ اے غافل اور سرکش انسان تجھے معلوم
نہیں کہ جب توحیدِ خالص اور حکمتِ رب کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے تو سب
اصحابِ کفّت بھی عزّت و شرف میں ان لوگوں کے دوش بدوش نظر آنے لگتے
اور جب آسمانِ توحید اور اتباعِ سنت کی بلند گھاٹی سے کوئی بے محنت و نامراد
اور شقی و ممنوس نیچے گرتا ہے تو ایک جلیل القدر نبی (حضرت نوح علیہ السلام) کا
محنت جگر اور نورِ نظر بیٹا اور دوسرے بلند مرتبہ نبی اور رسول (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کا بیٹا

ای قانونِ ایزدی کے تحت اہل نار کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور جب خوش
نصیبی کا طالع خفتہ بیدار ہوتا اور قسمت کا ستارہ چمکتا ہے تو سرکش اور باغیِ فرعون کی
ذیقہ نیات (حضرت اسیر) کے استقبال کیلئے بھی جنت کی حویں بے چین و بے تاب نظر
آتی ہیں، اور جب عقیدہ کی پستی و ذنانت اور عمل کی شقاوت و نحوست کا غلبہ ہو جاتا ہے
حضرت نوح اور حضرت لوط جیسے جلیل الشان نبیوں کی بیویاں (واعلہ اور وادلہ)
ای جہنم کے عینِ آتشکدہ میں گر کر قتل، اَوْحَلُّهُ الشَّارِعُ الدَّخِلِينَ کے حکم فیصلہ کی
سزاوار ہوتی ہیں۔ اے غافل انسان! تو بھی کفر و جحود کی اس غلط روش کا جائزہ لے اور
نورِ دیدہ بصیرتِ اندازہ کر لے کہ اس روش کا نتیجہ اور ثمرہ آخر کیا مرتب ہوگا؟ تو بہت
بانی سوچ چکا ہے، اب تو تیرے جاگنے کا وقت ہے، قافلہ جا چکا ہے اور تو چونکے
سے بھی رہا۔ آہ -

کہاں کی یزند آگئی ہے یارب مسافرانِ روعدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے ہم ان کو جگ جاگ کر

انجام کار

اے منکر حق و صداقت! تو اب کس چیز کا منتظر ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ قیامت
بیز زلزلے آتش فشاں پہاڑ پھٹیں تو تو آنکھیں کھولے؟ ہوں کہ
اندھناک طوفان و سیلاب اٹھیں اور زمینوں کو غرقاب کر دیں تو تو دیکھے؟ دنیا کو تڑوا
نے والے حال و احوالات رونا ہوں تو تو تڑپے؟ خور و زبرِ لڑائیوں کے شعلے جھڑکیں تو تو
اے مسافر شدہ عمارتوں کے کھنڈروں، صرخہ سرخ خون کی ندیوں اور میدانِ کارزار میں
آتی ہوئی انسانی لاشوں کے تودوں پر تیری نگاہ پڑے تو تو سنبھلے؟ ایتیم بھول اور میٹر رجھ

ہموں کی سیاہ بلیوں، ٹانگیں و صوف اور نرم لگی گیسوں کی مسموم فضاء سے تیرے ہوش و حواس
مکدر ہوں تو پھر تو باز آئے؟ بندوقل اور توپوں کے ہوش رہا دھماکوں اور گھن گرج سے ساری
فضا پر ہموں ہو تو پھر تو مٹنے، راکٹوں، جٹ، طیاروں اور میزائلوں کی ستم خیز آوازیں تیرے
کانوں میں پڑیں تو پھر تو رو راست پر گئے؟ ظالم اور درندہ اقوام کے ہاتھوں مظلوم و مغتور
قوموں کے بے گناہ خون کی نہریں سبائی جاہلیں تو پھر تو ہوش میں آئے؟ ہلاکت و خونریزی
اور ظلم و ستم کے خونیں مناظر ایک ایک کر کے تیری آنکھوں کے سامنے آئیں تو پھر تو سر تسلیم
خیم کرے؟ بے غافل انسان بنا تو سہی، کیا وہ صدمہ درد انگیز صدماتیں جو خود تیرے
اندر سے نکلتی اور سیٹھ ارنی کو زہر پادینی ہیں، تیری موعظت اور عبرت کے لیے کافی
نہیں؟ اور تیرے بدن کے ایک ایک دو ٹکڑے سے ہویدا ہونے والی غیر مسموم آوازیں
تجھے متنبہ اور ہوشیار کرنے کے لیے وعظ و پند کا دافر سامان بہم نہیں پہنچاتیں؟ اور
تیرے دل اور نبض کی خفیف حرکتیں اور سانس کے مدھم تراتے تجھے خالق کائنات
کے سامنے جھکنے کی تلقین نہیں کرتے؟ اے عاقبت، نا اندیش انسان کیا خود تیرے نفس
میں منہم حقیقی کے بے بدل دروازہ پر سر نہاد ختم کرنے کے لیے قوی دلائل موجود نہیں؟
ارشادِ خداوندی تو یہ ہے کہ :-

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ - اور خود تمہارے اندر (دلیل موجود ہے) سو

کیا تم سوچتے نہیں؟

(پط - الذاریات - ۱)

اے نادان انسان، تو ذرا مجنوں کی سیلی پرستی کو دیکھ اور فرما کی کوہ کنی اور شیریں
نوازی سے عبرت پکڑ جنہوں نے فانی عشق کے چتر میں مناج زندگی تک دے
ڈالا اور بستر مرگ تک اپنے عارضی محبوبوں کے ہجر و جدائی میں نالاں رہے۔ تو غصہ

حقیقی میں مستغرق ہو کر محبوب حقیقی کے وصال اور اس کی محبت و الفت کیلئے کیوں
اپنے دل کو بے قرار و بے چین نہیں پاتا؟ اے متغافل انسان! تو اپنا یلرز زندگی پر کیوں اتنا
ناائل ہے جس کو ایک دن جبر و اکراہ کے ساتھ چھوڑنا ہی ہے، اور حُب دُنیا میں تو
کیوں اتنا الجھا ہوا ہے جو ایک سراسر بڑھ کر کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اے مدہوش
انسان! کیا تجھے ہاتھ کے یہ زلزلے سنائی نہیں دیتے کہ -
تمنا شکستے جہاں اے بے خبر! تجھ کو مبارک ہو

یہاں دل داغِ حسرت سے بھر رہے دل لگی کیسی؟
جہاں گھر تھا وہاں قبریں، جہاں دل تھا وہاں شے
یہ ماتم خیز منظر سامنے ہے خوش دلی کیسی؟

ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا

کمل قلبی اطمینان اور صحیح عالمگیر اخوت اور یگانگت بغیر خالص ایمان کے ہرگز
مقتصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایمانی اخوت سے وحدتِ خلق کا عالمگیر نظام اور تصورِ خدا
سامنے آ جاتا ہے۔ مذہبی اور دُعاوی ارتقا کا آخری اور انتہائی مقام سوائے اس
کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تمام اقوام و ممالک میں ایمانِ خالص کی تبلیغ اور تکمیل
ہو جس کی بدولت عالمِ انسانیت اپنی فلاح و مُراد کو پہنچے اور ہر فرد باوجود اختلاف
الوان و طبائع کے دنیا و آخرت کی کامرانی اور شادمانی سے بہرہ ور ہو اور چونکہ کائنات

اغزوی وینوی مصلح سے زیادہ قیمتی مقصد اور اسے غرض ہے اس لیے ایمان کا بنیادی عقیدہ جس کے سبب اللہ تعالیٰ کی دائمی خوشنودی اور ابدی رضا جوئی حاصل ہو سکتی ہے اور اسی پر نہایت اغزوی موقوف ہے ایک نہایت اعلیٰ ترین نصب العین اور فلاح داریں کے حصول کا واحد اور بے مثال ذریعہ ہے۔ کفر و محمورانان کو دین و دنیا میں ہر طرح ناکام و نامراد رکھنے والی منحوس ترین چیز ہے اور بغیر ایمان کے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے مل قبول نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو درجہ قبولیت، کا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ بھلا سوچئے کہ جس درخت کی جڑ ہی سڑکھ گئی ہو، اس کے پتوں پر پانی چھڑکنا خود پانی کو ضائع کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ بغیر ایمان کے اعمال صالحہ راکھ کا ایک بے وزن ڈھیر ہے جس کو کفر و شرک کی تند اور تیز اندھی آن واحد میں اڑا کر بالکل نیست و نابود کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا ابْرِيضَتُمْ اَعْمَالَهُمْ
كَرَّمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ السَّيْبُ فِي
يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مَعًا
كَسْبُوا عَلَى شَيْءٍ ذَالِكِ هُوَ الْعَنْقَلُ
الْبُعِيدُ (پہلا - ابراہیم ۳۰)

اور یہ ایک بالکل کھلی حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں بجائے ایمان کے کفر و شرک پھیلایا اور اُس مہربان اور رحمن خدا سے بندوں کا تعلق قطع کر کے مخلوق کو خدائی صفات کا حامل بتایا تو انہوں نے یہاں سول کو سر اسب کی طرف دوڑایا۔

اور شرف انسانیت کو بدنام و صبیہ لگایا۔ اور جس شخص نے غیر خدا کی عبادت اور بندگی کی اور دوسروں کو اس کی دعوت دی تو اُس نے اپنی ساری محنت ضائع کر دی اور اپنے تمام اعمال کو اکارت کر دیا۔ جَحِطَتْ اَعْمَالُنَا لَہُمْ۔ اور یہ بالکل ایک نمایاں حقیقت ہے کہ کافر و مشرک بڑا ہی بے وقوف اور لاعقل ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانیت کے بلند مقام سے تنزل کر کے چوپایوں بلکہ اُن سے بھی زیادہ ذلیل مقام پر پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں اس سے بڑا اور شریر اور کوئی نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

اُولَٰئِكَ هُمُ مُشْرِكُو الْبَرِيَّةِ (پہلا - البینہ ۲۵)

اور جو لوگ سب سے زیادہ خالص ایمان پر قائم ہو کر دعوت ایمان پر زور دیتے اور کفر و شرک کو سب سے بڑا ناقابل مغفرت گناہ یقین کرتے اور بتاتے ہیں تو وہ یقیناً مخلوق خدا کے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے شریف اور ایسے ہی حضرات کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ :-

اُولَٰئِكَ هُمُ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (پہلا - البینہ ۲۵)

لہذا سب سے اہم کام ضروری تبلیغ اور نفع رسال عمل دعوت ایمان ہے کیونکہ کفر و شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے جس کے سبب ابدی طور پر انسان جنت کی دائمی رحمت محروم ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بلے پایاں رحمت سے محروم رہتا ہے۔ لہذا کسی وقت بھی اُس کی مغفرت کی توقع نہیں کی جاسکتی :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِہٖ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اُس کو لہذا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ (پہلا - الشارح ۷)

مگر افسوس کہ بہت کم لوگوں کو اس کا خیال ہے کہ صرف ایک ہی رب کی عبادت کر کے مقصدِ تخلیق کو سمجھیں اور ایمان کی جڑوں کو مضبوط کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نگاہ جمائے رکھیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (پاک۔ الزمرہ بات ۲۰)

اور میں نے جنیں پیدا کئے جن اور انسان مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کاش کہ اس مقصدِ وحید کی طرف بھی التفات اور توجہ ہو جائے جس کے لیے ہم دنیا میں پیدا کئے گئے ہیں اگرچہ کچھ بندگانِ خدا اس عظیم مقصد کے سمجھنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں مگر غافلوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے بقول شاعر؎

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفۃ
اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہے

ایمان باللہ

ایمان کی سب سے پہلی اور بنیادی کڑی ایمان باللہ ہے اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، اُس کی صفات اور اُس کے افعال میں ہر جہتیت اور ہر لحاظ سے وحدۃ لا شریک نہ سمجھا اور یقین کیا جائے کہ وہ دُکدو ہے مگر نہ الیا جس طرح دوست دوست سے دوستی اور محبت کرتا ہے۔ وصال ہے لیکن نہ اس طرح جیسے مال اولاد سے شفقیت کرتی ہے۔ وہ دُرُف درجیم ہے پر نہ یوں جیسا کہ باپ اپنے بیٹوں سے رحمت و اُفت کرتا ہے۔ وہ ان تمام تشبیہات و استعارات سے بالکل

پاک، قطعاً متبر اور عیناً منزہ ہے لیس کہ مثلاً شئی؎۔ وہ ماں اور باپ سے بیوی اور اولاد سے، کھانے اور پینے سے، سونے اور اٹکنے سے فنا اور زوال اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے، نہ حضرت عزیرؑ اس کے فرزند ہیں اور نہ حضرت مسیحؑ اس کے بیٹے ہیں اور نہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اور نہ اجار و رہبان یعنی مولوی اور پیر اس کے بیٹے ہیں، وہ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے۔ وہی عالم الغیب و الشہادۃ ہے اور وہی الشہید البصیر ہے اور وہی پلنے تمام کمالات میں نفوذ ہے اور وہی مدبر امر ہے اور وہی کارخانہ عالم میں متصرف ہے۔ الغرض معبودِ حقیقی تمام کمالات و اوصاف سے متصف اور تمام عیوب و نقائص سے متبر اور ہر قسم کی حاجات سے پاک ہے۔ ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ المقدم ہے اور اگر کوئی عاصی و گنہگار فطرتِ صحیحہ کو کھو نہ چکا ہو تو ضرور اس کا متلاشی رہتا ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ اس کا ربط و تعلق قوی سے قوی تر ہو جائے اور اس کو مالکِ حقیقی کی رضا نصیب ہو اور وہ اپنی فانی اور ناپائدار زندگی کی رفتار صراطِ متقیم پر جاری رکھ کر تقرب الہی اور رضا کے حق تک پہنچنے میں فائز المرام ہو سکے اور رحمتِ خداوندی توبہ گارنٹی دیتی ہے کہ گنہگاروں کو مایوسی سے ہمتا نہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ

نہ کہیں جہاں ہیں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفوِ ناز میں

ہستی باری تعالیٰ کا عقلی ثبوت

ہم جب کسی مصنوع کو دیکھتے ہیں یا کسی ثقہ اور معتبر کی زبانی کسی محیر العقول صنعت کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے تو اسے دیکھ اور سن کر نہ صرف یہ کہ ہمیں محض اس سے اس کے صانع کا علم اور یقین حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے صانع کا مرتبہ جلالت شان اور اس کی حکمت اور کمال کا علم و اذعان بھی ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ ہم جب بھی کسی اعلیٰ نفیس اور عمدہ صنعت کو دیکھتے ہیں تو اس کو دیکھنے کے ساتھ ہی ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ اس نتیجہ پہنچتے ہیں کہ اس کا صانع اور کاریگر اعلیٰ شان اور حکمت و فضیلت کا مالک ہے اور ہمیں ادنیٰ اور گھٹیا درجہ کی صنعت سے ادنیٰ درجہ کے صانع اور کاریگر کا پتہ چلتا ہے کوئی مصنوع چیز دنیا میں ایسی نہیں بتائی جاسکتی جس سے متعلق کوئی عقلمند اور دانا یہ تصور کر سکے کہ یہ از خود یا بلا واسطہ بن گئی ہے۔ بقول مولانا روم:

میچ چیزے خود بخود چیزے نشد

میچ آہن خود بخود تیغے نشد

کوئی کارخانہ بغیر انجنیر کے، کوئی جہاز اور گاڑی، کوئی بس اور موٹر بغیر چلانے والے اور ڈرائیور کے اور کوئی پلیڈہ بغیر پائلٹ کے ایک لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں چل سکتا۔ اور اگر کوئی طیارہ وغیرہ بجلی اور اٹیم کی طاقت سے چلتا ہے تب بھی یہ یقینی امر ہے کہ اس کو بایں وضع و ترکیب بنانے اور چلنے والا بھی ضرور کوئی ہے، اور ہر عقلمند کوئی یہ جانتا ہے کہ یہ حیرت انگیز اور تعجب خیز کائنات از خود ہی نہیں بنی ہو گیا۔ ایک

معمولی دوکان بغیر دوکاندار کے نہیں چل سکتی اور ایک ادنیٰ مکان بلکہ گلیا اور چھوٹی پٹری ایسی از خود نہیں کھڑی ہو سکتی تو پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ زمین و آسمان اور عالم مادی و منافی کا یہ اعلیٰ و اکمل اور بہترین نظم و نسق از خود بن اور چل رہا ہے اور کس طرح یہ مان لیا جائے کہ یہ وسیع و عظیم اور منظم کارخانہ بغیر کسی صانع حکیم کے چل رہا ہے یا اس کے بنانے میں کوئی معتد بہ غرض اور مقصد پنہاں نہیں۔ یہ کیونکر تسلیم کر لیا جاتے کہ دنیا کی اس عظیم الشان شہین کے بنانے اور چلانے والا اس کے پُر زور کوئی نہایت مضبوط و ترتیب اور سلیقہ سے جوڑنے والا اور ہزاروں برس سے اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے والا کوئی نہیں؟ اور اس کا کیسے یقین و اذعان کر لیا جائے کہ سورج و چاند، ثوابت و سیارات باہر حیرت انگیز انقلاب میل و نہار، صیغ و فشاں اور موسم ربیع و خریف کا یہ نمایاں تغیر و تبدل زبردست حکیم و قدیر اور صانع و عظیم کی کار سازی سے متعلق ہے، اور یہ حکم اور اعلیٰ نظام اور یہ تصرفات و تقبالات عظیمہ قدر مطلق کے دست قدرت سے بے پروا ہیں اور کون ذی شعور اس باطل اور بے بنیاد نظریہ سے متفق ہو سکتا ہے، کہ یہ سب کچھ محض بخت و اتفاق اور بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے ظہور پذیر ہوا ہے؟ اس دنیا میں بار بار دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ جہاز جہاز سے، گاڑی گاڑی سے، بس بس سے، موٹر موٹر سے اور ٹرک ٹرک سے بلکہ ٹانگہ ٹانگے سے ٹکڑا کر پاش پاش ہو گئے اور کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں، نشانوں کی نسبت ان کی تعداد اور گنتی کیا ہے؟ برائے نام اور محض صفر بلکہ بول محسوس ہوتا ہے کہ یہ چند ذرے ہیں اور وہ ہوا میں، یہ گنتی کے محصور قطرے ہیں اور وہ ناپید اور گناہ مند یہ متعدد ذرے چند نقطے ہیں اور وہ پورا جسم یہ شمار کے چند افراد ہیں اور وہ غیر محدود ملت و انجن۔ مگر باوجود اتنے بڑے حجم اور وزن کے کوئی سیارہ

مشرق سے مغرب کی سمت بڑی سرعت اور تیزی سے جا رہے ہوں کوئی مغرب سے مشرق کی جانب مباحثہ کر رہے ہیں لیکن آج تک کبھی کہیں کسی ستارے کی دو سرے ستارے کے ساتھ ٹکرائیں ہوئی اور نہ نظام کو اکب میں تباہی و بربادی کا یہ سلسلہ اور توڑ پھوڑ کا یہ ہنگامہ ہو رہا ہو ہے، یہ کب مسلم ہو سکتا ہے کہ ہزار ہا برس سے یہ مضبوط و محکم اور اٹل نظام شمسی و قمری ایلی و ناری اور زمینی و سماوی بغیر کسی چلائے والے کے ٹھیک نظام پر چل رہا ہے، یا سب کچھ بے کار و بے فائدہ ہے اور اس کی کوئی غرض و غایت ہی نہیں کیا ان میں ایک ایک چیز زبان حال پکار پکار کر یہ نہیں کہہ رہی کہ دَبْنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا يَا بَاطِلُ (دکڑے ہمارے پروردگار تو نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی)۔ دُور جانے کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں، خود ہمارا اکب ایک عضو اور ایک ایک جوڑ پانے اندر لا تعداد حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں رکھتا ہے۔ اس چھوٹے سے وجود کے اندر کتنی اور کیسی قوتیں اور طاقتیں ہیں، کسی قوت سے ہم سمجھتے ہیں، کسی سے بولتے ہیں، کسی سے سنتے ہیں اور کسی سے دیکھتے ہیں، کسی سے چلتے ہیں اور کسی سے پکڑتے ہیں، کوئی قوت اس کے ہے اور کوئی قوت ہاضمہ ہے، کوئی عروق و عضلات میں خون پہنچا رہی ہے اور کوئی فضلات خارج کر رہی ہے، کوئی خون اور چربی بنا رہی ہے اور کوئی پیشاب و غلاطت تیار کر رہی ہے۔ اگر کوئی سمجھنا اور تسلیم کرنا چاہے تو اس کے لیے خود اس کے وجود ہی میں اس کے لیے عبرت و وعظمت کے لیے بہترین سامان موجود ہے وہ دُخْرُ الْفَسِيكَ اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (ذاریات ۱۱) لہذا ہم اس اقرار کے لیے مجبور ہیں کہ ہم ضرور کسی بڑے صانع کسی بڑے کاریگر اور کسی بڑے حکیم کی صنعت اور حکمت کا نتیجہ ہیں اور یہ اقرار و یقین صرف ہمارے ہی وجود تک محدود نہیں بلکہ اس دنیا

... کی ایک ایک چیز پکار پکار کر صاف اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ قدیم ہی سے کوئی عظیم و قدیر اور بلند و بالا ہستی ضرور ایسی موجود ہے جو ہم سب کی خالق، سب کی حاجت سب کی فریادرس اور سب کی آمر و حافظ اور صاحب قدرت و حکمت ہے جس نے اپنے علم و قدرت سے اس کائنات کو نیست سے هست اور نابود سے بود کیا ہے اور زمین کا ایک ایک ذرہ اور ایک ایک تشکا جز بان حال اس کی شہادت دیتا ہے۔

ہر گیارہ ہے کہ از زمین روید وحدہ لا شریک لہ گوید
القرض زمین و آسمان میں صرف وہی ایک خدا، ایک خالق اور ایک ہی مالک
مصرف ہے اور وہی باقی و حق ہے۔ اس کے سوا تمام اشیاء فانی اور زوال پذیر ہیں۔ اس کی ذات اپنی ازیست میں سب سے اعلیٰ اور اپنی ادبیت میں سب سے آخر ہے اور ظہور و صفات میں مجھے روشن تر اور نمایاں اور خفا و ذات میں سب سے پوشیدہ تر ہے۔

هُوَ اَوَّلُ مَا اَخْبَرُوا وَالظَّاهِرُ الْبَاطِنُ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے۔
(دیکھو۔ المائدہ ۱)

الغرض عقلی طور پر ہر صحیح المزاج انسان کی فطرت میں یہ میلان و مرجحان پایا جاتا ہے کہ ایک نوریہ ہستی ایسی ضرور ہے جس کی طرف لازماً رغبت کی جاتی اور کی جاسکتی ہے۔ رغبت بھی ایسی کہ تمام مخلوقوں سے فائق اور اسی سے خوف اور ڈر بھی ضروری ہے۔ خوف بھی ایسا کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی حبیب و خوفناک نہیں۔ ہم اگر چہ گئے اس دنیا میں غیانا دیکھ نہیں سکتے لیکن اس کی قدرت کے جتنے علائم اور نشانات ہم دیکھتے ہیں ان میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے، جس کی نفی پر ہزار جہتیں اور لاکھ دلیل بھی بالکل بے کار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا بیان حقیقت ہمارے دائرہ اختیار سے بالکل باہر ہے۔

دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے!

باری تعالیٰ کی ہستی کا نقلی ثبوت

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت عامہ کا بنیادی عقیدہ جاہل و عالم، عامی و عارف، ہر شخص کے دل پر حکم و بیش قبضہ جہائے ہوئے ہے اور کسی زمانہ میں دنیا کا کوئی حصہ اور خطہ ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس میں حق پرست لوگ اس عقیدہ اور یقین سے بے بہرہ نہ ہوں۔ تمام عقائد حقہ اور مذہب سماویہ کی خوشنما اور دلکش عمارت کا سنگ بنیاد ہی خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ربوبیت عامہ کے اعتقاد پر قائم ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور کتب سماویہ کا نزول وحی والہام اور عقل سلیم سب اسی اجمال کی تشریح و تبیین ہے۔ ہستی باری تعالیٰ کا یقین محکم اگر محض منطقیات استدلال و احتجاج پر منحصر ہوتا تو جاہل قوموں میں ہرگز یہ نہ پایا جاتا بلکہ نذیب و متدن کے ابتدائی مراتب میں بھی اس کا کہیں وجود نہ ہوتا۔ حالانکہ واقعیات بلکہ اس کے خلاف ہے اور جہلاء کے دلوں میں جس و ثوق و اطمینان کے ساتھ ہستی باری تعالیٰ کا یہ محکم عقیدہ اور یقین موجود رہتا ہے، وہ بسا اوقات علماء اور فضلاء کے لیے بھی قابلِ صد رشک ہوتا ہے اس لیے حقا اور یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ یہ تخم رش و ہلالت جو تمام آسمانی تعلیمات کا مبداء اور منہی اور تمام ہدایت ربانہ کا وجود محض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عہد ازل ہی میں بطور مشاق عام پوری فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں کھیر دی ہے تاکہ ہر آدمی

وحی والہام اور عقل و فہم کی آبیاری سے اس تخم کو شجرۃ الیمان کی مضبوط جڑوں اور اعمال صالحہ کے سلیقہ تنوں اور معاملات کی نازک اور پھلدار شاخوں اور اخلاق و مکارم کے دلاویز اور خوشنما پتوں اور رضائے یزدی کے لذیذ اور شیریں ثمرات تک پہنچ سکے۔ مگر وجود باری تعالیٰ کا یقین اور عقیدہ محض عقل و نظر اور اکتساب و استدلال پر ہی موقوف ہوتا تو اکثر انسان اس پر متفق و متحد نہ ہو سکتے کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ اکثر فکر و استدلال کو دکھا کر اشیاء اور بحث و مباحثہ کی خوشگنیاں اتفاق و یکجہتی کے بجائے اختلاف آراء اور تشکیک افکار ہی پر منتج ہوتی ہیں اس لئے توحید پر یہ نیابت ہی ضروری تھا کہ فطرت انسانی میں دیگر فطری خواہشوں کی طرح یہ یقین اور عقیدہ بھی ازل ہی سے ودیعت رکھا جانا۔ تاکہ اس عالم میں ہر متلاشی حق اور منصف مزاج شخص اس سے بہرہ ور ہو سکتا اور ربوبیت اور الوہیت کا یہ دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ایک عقائد و چیتان بن کر ہی نہ رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جمیع المیزاج آدمی جس کو عقلی اور روحانی تندرستی حاصل رہی ہے، اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہا ہے۔ باقی ہے وہ افراد جو کبھی عقلی اور روحانی بیماری سے متاثر ہیں، ان کی بات ہی الگ ہے۔ ایسا ہی ایک محمدیہ کہنا ہے کہ میں خدا کا بالکل منکر ہوں خدا کا خیال جہالت، خوف اور قوانین فطرت کی عام ناواقفی سے پیدا ہوتا ہے والعیاذ باللہ۔ (دور الیقین آف دہلیس انجیپیریشن پبلیشرز، ۵۰ صلا مطبوعہ اسلام آباد مفتول از پروفیسر شاد بک) مگر ان جیسے احمقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صفاوی بخار وغیرہ کا مریض میٹھی لذیذ اور خوشگوار دواؤں اور غذاؤں کو ترجیح اور ہضم نہ کرنے لگے۔ ایسے لوگ انجام کار تندرست دنیا کے سامنے بکھینا سب وقت آنے پر خود اپنی ہی نظریں بالکل دروغ گو اور قطعاً

کہ میں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں اور خود تمہارے باپ حضرت آدمؑ کو گواہ بنانا ہوں تاکہ ۔۔

ان تقولوا یوم القيمة لعلہ یدہذا
اعلموا انہ لا الہ غیرہ ولا رب
غیرہ ولا تشترکوا فی شئیئنا فی سبیل
الیکم رسولی یدکرہ ونکرہ عہدی و
میشاقی و انزل علیکم کتبی قالوا
شہدنا بانک ربنا والہنا لا رب
لنا غیرک ولا الہ لنا غیرک فاقروا
بذلک والحدیث (منہ احمد و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸۷)
و مستدرک ج ۲ ص ۲۸۷ قال الملک والذہبی صحیح
تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہمیں تیری
رہبریت، اور اُلوہیت کا کوئی علم نہ تھا سو
اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی حاجت
روا ہے اور نہ کوئی تربیت کرنے والا ہے
اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بننا۔ میں
تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں
میرا یہ محمد و بیان یاد کرانے لگے اور میں
تمہارے اوپر اپنی کتاب نازل کر دوں گا۔
سب سے کہا ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں
کہ تو ہمارا رب اور الہ ہے، اور ہم اقرار
کرتے ہیں کہ نہ تو تیرے بغیر ہمارا کوئی رب
ہے اور نہ کوئی الہ ہے

اس عہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا اقرار کرایا ہے نہ کہ اب ہونے
کا۔ اور واضح الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ وہ ربُّ العالمین ہے، البر العالمین نہیں اور
اسلام میں رب کا مرتبہ اور احترام اُس کے درجہ اور تعظیم سے کہیں بڑھ کر اور بلند ہے
کیونکہ باپ کا تعلق بیٹے سے صرف اتنی اور جسمانی ہوتا ہے۔ مگر رب کا تعلق
اپنے مرلوب سے اس کی پیدائش اور وجود کے اولین لمحہ سے لے کر آخری لمحہ

جبوٹے ثابت ہوتے ہیں یا جیسے کوئی بھیینگا ہو تو تسے ایک چیز کی دو نظر آتی ہیں کیونکہ
اس کی آنکھوں کی ساخت ہی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانی بھینگوں کو ایک اسلام
کے دو اسلام اور ایک قرآن کے دو قرآن نظر آتے ہیں ایسے طحین کی بات ہی جلد ہے
اسی زلی عمد و میثاق کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیش فرمایا ہے :-

فَرَأَوْا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ
مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۖ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا ۚ إِنَّكَ تَقُولُ لَنَا
يَوْمَ الْعِلْمِ ۖ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا
غَافِلِينَ ۖ (پ - اعراف ۳۲)

اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں
سے اُن کی اولاد کو اور اقرار کرایا اُن سے اُن
کی جانوں پر کہ کیا میں نہیں ہوں تمہارا پروردگار
بولے کیوں نہیں؟ ہم اقرار کرتے ہیں۔ یہ
اقرار ہم نے اس لیے کیا تاکہ تم پر نہ کہے کہ تو قیامت
کے دن کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ ہمارا
بھی کوئی رب اور حاکم ہے اور ہم اس کے
احکام کے پابند ہیں)

یہ عمومی اور مثالی میثاق جو عہد انزل میں اللہ تعالیٰ نے لیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن
عباسؓ کی مرفوع روایت کے مضمون کے مطابق نعمان کے مقام پر دو میدان عرفات
کے قریب ایک جگہ ہے (لیا گیا تھا اور سب کو باری تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی جیونیشوں
کی مانند اپنے سامنے کھڑا کر کے أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے سوال کیا تھا اور سب نے یک
نہاں ہو کر جلی سے جواب دیا تھا۔ (منہ احمد و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸۷)

اور حضرت ابی بن کعبؓ (الموتی سلمہ) کی موقوف روایت (جو حکم مرفوع
ہے) کے الفاظ کے پیش نظر جب سب نے جلی کہا تو رب العزت نے فرمایا

تمک بلا اطفال برابر جاری رہتا ہے اور اس فانی جہاں کے بعد ابدی اور سرمدی جہاں میں اس کی ربوبیت کا جو ظہور ہو گا وہ ہماری سمجھ و ادراک سے بالاتر ہے۔ ہم کیا اور اس کے غیر محدود الطاف اور عنایات کیا؟

اسی انہی میثاق اور خدائی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ اولاد آدم کے فطری، عقلی اور روحانی طور پر تندرست، افراہم، فرزین اور ہر زمانہ، ہر گوشہ اور ہر خطہ ارضی میں جن تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت عامہ کا ایک متک اقرار کرتے ہیں اور آج بھی اس دور زندہ و الحاد میں کروڑوں کی تعداد میں اس کی ربوبیت کا اقرار اور اذعان کرنے والے موجود ہیں اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو اپنے محبوب حقیقی کی محبت و رضائیں فنا میسر ہو جاتی ہے تو پھر یگانہ و یگانہ، مکروہ و محبوب کسا اذقیار ہی سرے سے ان کے دلوں سے اٹھ جاتا ہے اور دن بدن ان کی روحانیت ترقی پذیر ہوتی ہے اور انوار اللہ کی تلمی ان کیلئے بھرتی اور نکھرتی ہے اور رحمت خداوندی اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ کھل اور کھل کر ان کے سامنے آتی ہے اور ایسے کاملین اور خدا رسیدہ حضرات کو یہ لال اور خیال کبھی نہیں آتا کہ دنیا ان کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟ ان کی تمام محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری کا صرف ایک ہی مرکز اور ایک ہی محور باقی رہ جاتا ہے اور وہ محض اپنے محبوب حقیقی کی معرفت و محبت اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ سے اس کی رضا جوئی مال و اولاد کا تو ذکر ہی کیا، اگر اپنے نفس کے ساتھ بھی ان کی الفت و محبت باقی رہ جاتی ہے تو وہ بھی صرف اسی ہی کی خاطر۔ اس کی راہ اور رضائیں تمام قربانیاں شیریں بن جاتی ہیں اور اس کی ناراضگی میں سلی خوشیاں کانٹے نظر آتے ہیں، اس کی خوشنودی

کے لیے گردنیں کٹوانا حیات ابدی معلوم ہوتی ہے اور اس کی خلاف ورزی میں عیش و آرام کی پر کیفیت زندگی بھی سرسبز موت دکھائی دیتی ہے۔ مگر یہ مقہم صرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے روح شریعت کو سمجھ کر مجاہدہ نفس کی منزلیں طے کی ہوں، کیونکہ

ہزاروں منزلیں کر تہ ہے طے پانی کا رک قطرہ
صدف میں نوب کہیں ہوتا ہے تابندہ گم و پیرا

رب قدر کا انکار کیونکر؟

اگرچہ معدین اودم ربیے اپنے لیے خدا کا نام اور تصور پسند نہیں کرتے مگر ان احمقوں کے انکار سے اس کی ربوبیت پر کیا زہ؟ ان کی عصمت کی غامی دیکھئے کہ خدا اور الہ حقیقی کا تو وہ انکار کرتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں لیکن اپنے ہی جیسے انسان کو صدر مملکت اور وزیر اعظم وغیرہ کی موت میں اپنی جانوں کا مالک و معتد یقین کرتے ہیں جس کے حکم کے سامنے وہ سر تسلیم خم کرنے پر مجبور و معذور ہوتے ہیں اور جس کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ اور اشتیاق ان کے دل کو بے قرار اور ان کی روح کو بے چین رکھتا ہے۔ آخر کوئی نصب العین اور کشش قہ ہے جو ان کے قلب و دگر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، جسکی نشرو اشاعت کے لیے وہ جنگل اور پہاڑ کاٹ کاٹ کر خاک خاک اور گوشہ گوشہ کا چھو لگاتے ہیں اور کروڑوں بلکہ اربوں اور کھربوں روپے اس کے پردہ پیگندہ پر صرف کرتے ہیں اور اپنے معنوی رب کی توصیف و تعریف میں ہر وقت اور ہمہ وجہ وہ رطب اللسان رہتے اور ہر مجلس و

مغل میں اس کے ترانے گاتے ہیں اور دوسری تو نفسِ امّارہ کی بندگی اور طاعت تو کہیں نہیں گئی، ان کی بختی اور شوقِ قسمت دیکھئے کہ حقیقی اور برحق رب اور رؤف و مہربان خدا کے مقابلہ اور بدل میں ان کو یہ معترض، خود ساختہ اور تراشیدہ اللہ کیسے بگاڑا؟ اور کس طرح اس کی قبولِ جہلیاں اُن کے لیے فریبِ نظر اور تسکینِ عقل کا ذریعہ بن گئیں۔ قرآن مجید میں ایک مختصر مگر نہایت جامع مضمون جس و خوبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یوں بلیغانہ انداز میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جس کی جامعیت پر حقیقت پسند دل و جہدِ آفریں دکھائی دیتا ہے اور وہ منکرِ خدا کی سیاہ اور تارِ یک پیشانی پر گو کہ بے درخشندہ کی طرح صاف چمک رہا ہے :-

اَرَاَيْتَ مَنِ اخَذَ اِلَهَهُ هَوَاهُ ط
اَجَانَّتْ تُكُوْنُ عَلَيْهِ دُكِيْنًا ○
(پہلے۔ الفرقان۔ ۴۰)
اور حاکم، بنایا، اپنی خواہش کو کہیں لے
سکتا ہے تو اس کا ذمہ؟ دہر گز نہیں۔

عزیز کیجئے کہ جس شخص اور قوم کا مزاج روحانی اس قدر بدل اور بھلا چکا ہو کہ اُس نے اپنی خواہش کو اپنا اللہ، حاکم اور مطاع بنا دیا ہو کہ جدھر اُس کی خواہش اُسے لے گئی، اُدھر ہی وہ جھک پڑا اور جو بات خواہش اور مرضی کے مطابق ہوتی وہی قبول کر لی اور جو عمل نفس کے موافق ہوا وہ اختیار کر لیا اور جو قول و عمل خواہش کے موافق نہ ہوا وہ رد کر دیا۔ آخر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ یوں تو عہدِ میناق کے علاوہ بھی بیشمار جہتیں اور محضی دلائلِ خداوندِ عزیز کی اُلوہیت اور ربوبیت کے اثبات و اقرار پر موجود ہیں مگر شوقِ قسمت کا کیا کہنا؟

سمجھ میں مسئلہ تو حیدر آؤ سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کی کیجئے

رضائے حق کی تلاش ایک فطری امر ہے،

اگر کوئی شورشِ بخت اور حمالِ نصیب عہدِ ازل کی اس صبحِ فطرت کو اپنے کسبِ شر اور ارادۂ سود سے جس میں وہ مختارِ خدا اور اسی پر مدارِ تکلیف ہے (ضائع اور اُکارت نہیں کر چکا اور اگر اُس کے عینِ قلب میں ہنوز ایمانی حرارت کے کچھ بھی آثار موجود ہیں اور اگر اس کی سعید روح قبولِ حق کی صلاحیت سے نمانوس نہیں ہو چکی اور اگر اس کا دماغ ماؤن اور مغفل و سنہیں ہو چکا تو اُس کی دل کی گھڑیوں سے ہر بار یہ صدا اور نواز اُٹھے گی کہ مجھے اپنا خالق و مالک اپنے نعم و پروردگار سے (جس کی ربوبیت عامہ کا میں پہلے ہی سے علی رؤس الاشیاء بینی کہہ کر اقرار کر چکا ہوں) تعلق اُستوار رکھ کر اُس کا قُرب اور رضا جوئی حاصل کرنی چاہیئے اور اس کا دل اس امر کی پُر زور اپیل کرے گا کہ وہ اپنی اس ناپائدار اور فانی زندگی کی رفتار کو صراطِ مستقیم پر جاری رکھ کر اپنے تمام جذبات اور احساسات کو رضا کے النی کے تابع کرے اور وہ ہمہیمِ قلب سے یہ چاہے گا کہ تقربِ خداوندی کے حصول کے لیے اپنے ذاتی خیالات و خواہشات، عیش و لذت اور اولاد و مال کی محبت و وابستگی رشتہ داروں سے تعلقات و دیگر تمام رُحانات اور میلانات سے یک سو ہو کر اور ان میں سے جو کاش بھی دامنِ گیر ہو اس کو جھٹک کر الگ کر کے وہ صرف ایک ہی رب کو راضی کرے جو سب کائنات کا پروردگار سب کا بادشاہ اور اللہ ہے جس کی نصرت و تائید اور رحمت و رأفت سے کسی طرح کوئی مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا اور وہ اپنے دل میں کامل یقین اور

نہاں سے اقرار کرے گا کہ جملہ مصائب و آلام کی تظام خیز لوں اور شدائد و فوائب کی بلا انگیز لوں میں صرف اسی ہی کی مدد اور معاونت جسٹین ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھے گا کہ اس کی غفلت و کبریا کی کا اقرار اس کی تعظیم و احترام کا صحیح جذبہ اور اس کی اطاعت و حکم برداری کے لیے انقیاد و مستعار زندگی کا متاع عزیز اور شرف انسانیت کی اعلیٰ کڑی ہے اور اس کو یہ مان لینے میں ہرگز کوئی تاثر نہ ہوگا کہ مالک حقیقی جس کو جس حالت میں رکھنا مصلحت اور مناسب سمجھے وہ اپنی حکمت و علم کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ اُس کے ارادہ کو روک یا بدل سکے یا اُس کی تخلیق و تقسیم پر حریف گیری کر سکے اور اس کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر صرف ایک خدا کی طرف جھکے گا جو اس کی ہر قسم کی دنیوی وحشت اور گھبراہٹ کو دور کر دے گا اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صرف یاد الہی دلوں کے اضطراب و بے چینی کو دور کر سکتی ہے اور اسی ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

کیونکہ اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ آخر ارشاد ربّانی ہی تو ہے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق بظلالِ دینیت اور اُس کی یاد اور عبادت سے غفلت اور بے پروائی برقی ایسے غافل شعار انسانوں کو خود اپنی عزیز جانوں اور ان کے فوائد و مضرات تک کی خبر نہیں رہتی اور وہ ضلالت و غواہت کے وسیع جھگلات و عمیق دلوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ لَسُوا اللَّهَ فَاَسْفَهُوْا اَنْفُسَهُمْ اور ایسے ہی غافل انسان اصلی زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور ایسے سوختہ بخت انسانوں کے دل سرد اور چین کی زندگی حاصل کرنے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔

مگر ان کی شومی قسمت یاوری نہیں کرتی اور انہیں کہیں بھی چین و سکون کی زندگی

میسر نہیں آتی۔ اگرچہ دیکھنے میں اُن کے پاس مال و دولت اور سامان عیش و عشرت کی کوئی کمی نہیں ہوتی مگر ان کا دل توکل و قناعت سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دُنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمینی دولت کے اندیشہ میں بے آرام و بے چین رہتا ہے کسی وقت نانوٹے کے پیر اور پچڑ سے ان کا قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت کا خوف اور زوال دولت و ثروت کے خطرات الگ سوچاں رُوح بنے بہتے ہیں اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ گمراہی اور بے راہروی کا موقع نظر آتا ہے اور عموماً ایسے ہی لوگ اپنی زندگی کے پرسکون اور طمانینت بخش دور اور ماحول کو فرعونوں، حق فراموشیوں، ہرستیوں اور رنگ رلیوں میں گزار دیتے ہیں۔ تہذیب اور سرکشی کا کوئی پہلو اور کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا جو ان کے رگ و پے میں سراپت نہ کرے گا ہو اور ایسے حرص و آرزو کے پھولوں کا بیٹ خاک گور کے بغیر اور کوئی چیز پُر ہی نہیں کر سکتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ:-

وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التَّوْبُ ابن آدم کے پیٹ کو بجز خاک کے اللہ کوئی
وَيَتَوَبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ تَابَ شے چر نہیں کر سکتی ہاں مگر جو توبہ کرے تو
(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ منظم) اللہ تعالیٰ اس پر رجوع فرماتا ہے۔

اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدول یا دالئی کے ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا مگر اس کی ایک اہم شرط بھی ہے کہ غ

ذوقی اس بادہ نہ دانی بخشد انا نہ چشتی

جب انسان کا دل عشق الہی، ذکر و رجن اور اس کے شوقی ملاقات کے درجہ تک خالی ہو جاتا ہے تو اس خالی مکان کو ابلیس اور اس کے چلے چائے اپنے لیے

الٹ کر لیتے ہیں اس لیے کہ ایسے بہترین مکان کا کینہ سچائی رہنا خلافِ عادت ہے۔
 دل ہوا اور اس میں دردِ محبت کہیں نہ ہو
 عبرت کا ہے عمل کہ مکالم ہو مکیں نہ ہو
 اور شیطان ہر قسم کے وسوس اور خیالات کے ذریعہ اس کو بدی کے ملک اور
 خلناک راستہ پر لے جاتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ اس کو دکھاتا ہے جن میں شیطان
 کام کی الفت اور محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور شب و روز وہ اس
 میں غلطی اور بیچال رہتا ہے اور تعیش و تملذذ کی فانی زندگی کا دلزدہ ہو کر شیطان
 کا وفادار ایکٹ بن جاتا ہے۔ پھر اس پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ معرفت کو گار
 اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی، دین کی بجا و فلاح، دینی فہم و ذکا اور
 خدا شناسی اور خدا خوفی کے جیم جذبے سے یکسر محروم ہو جاتا ہے، اس کے لیے کوئی
 بدی بدی نہیں رہتی اور کسی نیکی اور کار خیر کا ترک و بھران اس کے لیے باعثِ مذمت
 شرمندگی نہیں ہوتا، اور یہی حالت انسان کی سب سے زیادہ مضر اور ناکام حالت ہے
 اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جب کوئی بد نصیب رحمان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو
 شیطان اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّخِذْ عَنِ ذِكْرِ الْمَرْحُومِينَ
 فُتَيْتًا ۖ شَيْئًا ۖ اِیسی مذموم زندگی کی جتنی امد جس قدر بھی مذمت کی جائے
 اتنی ہی کم ہے، کیونکہ اس میں انسان شرفِ انسانیت کی رفعت اور بلندی کی اعلیٰ
 گھائی سے ایک ہی جگہ وقت اور محبت کے غارِ عین میں جا پھنسا ہے لیکن وہاں
 سے ہزار چھلانگ لگانے پر بھی اس کا کھن عادتِ محال ہو جاتا ہے اللہ کہ اللہ تعالیٰ
 دستگیری فرمائے۔

عبدالزلی کا نتیجہ ہر صحیح المزاج نفس کو یاد ہے

ح جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ زیادہ
 بار مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں یہ سوال اس میثاق پر وارد ہوا ہے کہ
 اگر واقعی ایسا کوئی عمدہ و پیمان اور میثاق ہم سے لیا گیا تھا تو جہیں اس کا علم ہوتا کہ کس
 وقت ہوا اور کس جگہ ہوا اور کس ماحول میں ہوا؟ بلا شک آج ہمیں یہ تو یاد نہیں
 کہ یہ اصولی اور بنیادی عمدہ و میثاق کا اقرار اور اس کی تعلیم کب کہاں کیسے اور کس
 ماحول میں دی گئی تھی؟ مگر ہر ادنیٰ سمجھ اور عقل والا آدمی اس کو بخوبی سمجھتا ہے کہ جس
 طرح ایک واعظ و مقرر، ایک انشا پرداز و ادیب اور ایک معلم و مدرس کو یہ کامل یقین
 ہے کہ جو الفاظ اس وقت میری زبان و قلم سے نکل رہے ہیں، یہ ضروری امر ہے کہ بدست
 عمر جس کسی نے یہ الفاظ بولنے اور کہنے مجھے سکھائے ہیں جس کی تعلیم و تربیت اور استفادہ
 سے ترقی کر کے آج میں اس بلند مقام پر پہنچا ہوں کہ لوگ مجھ سے استفادہ کرنے اور انونے
 تلمذ نہ کرنے کو باعثِ عدا افتخار سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اسے یہ یاد نہ ہو کہ مجھے سب سے پہلا لفظ
 سکھانے والا کون تھا؟ اس کا لب و لہجہ کیا تھا؟ سکھانے کا وقت مکان اور
 دیگر خصوصیات مقامی کیا تھیں؟ میرے ساتھ کوئی اور بھی تھا یا میں صرف اکیلا اور
 تنہا تھا؟ امد اس وقت مجھ پر اس تعلیم کا کیا اثر ہوا؟ یہ اور اس قسم کے بیسیوں سو
 سامنے آتے ہیں جن کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا مگر اس تعلیم کے موجودہ آثار و نتائج
 سے یہ یقین کامل اور اذعانِ واقع پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسی تعلیم ضرور واقع ہوتی ہے

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ بنی نوع انسان کو خالق کائنات نے عبدانی میں اس عمومی عینیت کے ذریعہ اپنی ربوبیت، بعثت، رسل اور انزال کتب کی تعلیم دی تھی۔ گو اس تعلیم کے ابتدائی منازل اور مراحل تو ان کو یاد نہیں اور نہ اس کی دیگر خصوصیات ان کے پیش نظر ہیں مگر اس سرزمین پر بسنے والے کروڑوں انسانوں کا عقیدہ ربوبیت اور اس کا استمرار و شہادت کیسے نظر انداز کی جاسکتی ہے؟ جو زمین کے ہر نقطہ پر اور ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں اس کا اقرار کرتے رہے ہیں اور اب بھی زبان سے اقرار اور دل سے اس کی پوری تصدیق کرنے والے بفضلہ تعالیٰ کروڑوں موجود ہیں۔ اس اقرار و شہادت کا وجود ہی اس انبی اور فطری تعلیم کا پتہ بناتا ہے، جس کا نمایاں اور واضح اثر سنوئے کھک انسانی فطرت اور شریعت میں موجود چلا آتا ہے اور وہ اس کے اقرار کرنے پر مجبور ہیں۔ آخر بلاوجہ تو یہ نہیں کہا گیا کہ سچ زبان خلق کو تقارہ خدا سمجھو!

باقی جس نے روحانی علالت اور خامی عقل کے سبب یہ فطرت اور استعداد ہی ضائع کر دی ہے تو اس کا معاملہ ہی الگ اور جدا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا یہ محکم فیصلہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ نُولِہِمَا تُولٰی وَتُفَصِّلُہُمْ جَہَنَّمُ

ایمان بالملائکہ

ایمانیات میں سے ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتوں کو تسلیم کیا جائے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک ذری مخلوق ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ (المرتفۃ ص ۷۷) کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

خَلَقْتُ الْمَلَائِكَةَ مِنْ نُورٍ مِ ۲۳ وَحَلَلَهُ ۲۴ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

مگر یہ یاد رہے کہ اس نور سے نور مخلوق مراد ہے۔ خالق کا نور جو اس کی صفت قدیر ہے ہرگز مراد نہیں ہے۔ فرشتے نہ مرد ہیں اور نہ عورت، نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں، نہ مرنے ہیں اور نہ اوجھتے ہیں، نہ کسبی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آسمان پر کوئی پتہ ایسا نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت میں مشغول نہ ہو۔ دستہ مکہ جہم قال الحاكم جو الذہبی صحیح اور کعبہ شریف کے عین محاذات اور برابر میں ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کو البیت المعمور کہتے ہیں، وہ فرشتوں کا مطاف ہے اور جب سے دنیا کا نظام جاری ہے اسی وقت سے قیامت تک روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر مۃ العمران کو دوبارہ طواف کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ فرشتوں کی تعداد کو بخیر اُن کے خالق کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

وَلَا يَعْصِيہُمْ وَاٰتٰہُمْ رِزْقًا مِّنْ لَّدُنْہِ الْمَلَائِكَةُ اور نہیں جانتا تیرے کے لشکر و دل کو کوئی شری۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی مختلف قسم کی ڈیوٹیاں مقرر کر دی ہیں۔ کوئی آسمانوں پر مصروف کار ہیں اور کوئی زمینوں پر اپنے اپنے کام میں منہمک ہیں۔ وہ تمام عیوب نقائص سے معصوم ہیں۔ نہ تو وہ خدا تعالیٰ کی صفات میں اس کے شریک ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں سب سے بڑے رتبہ کے فرشتہ کا نام حضرت جبرئیل علیہ السلام ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی لیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ حضرت میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام مشہور فرشتے ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں فرشتوں کے متعدد و انقض اور ڈیوٹیاں بیان کی گئی ہیں جن کو وہ نہایت اخلاص اور وفاداری کے ساتھ بجالانے ہیں۔

اور کسی مذہب کی کوئی المانی اور آسمانی کتاب ایسی نہیں بتائی جاسکتی جس کو ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے قرآن کریم کی طرح کامل اور ناطق کہا جاسکتا ہے۔ یہ قرآن کریم ہی ہے جس نے پہاڑوں کی طرح جگے ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا۔ قلوب بنی آدم کی زمین کو پھاڑ کر اس میں معرفت الہی کے شیریں چشمے جاری کر دیے۔ وصولی الی اللہ کے دشوار گذار راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کر دیے۔ مردہ قوموں اور پڑھ مردہ دلوں میں ابدی زندگی کی روح چھنک دی۔ قرآن مجید معاش و معاد کا کامل ترین دستور العمل، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جامع نرآئین ہے۔ انس و جن کی تہذیب و تزکیہ اور ان کی انفرادی و اجتماعی برتری اور سازگاری کا مکمل قانون ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے بغیر تخصیص زمان و مکان اور بدول لحاظ رنگ و نسل نہایت عمدہ متین اور جامع تعلیم پیش کرتا ہے۔ وہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور نبوت و معاد سے بحث کرتا ہے، اسی طرح وہ دیگر اصولی عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات اور تمدن و سیاست بھی اصولی اور عملی حیثیت سے بحث کرتا ہے اور زندگی کے کسی اہم اور قابل قدر پہلو اور گوشہ کو اصولی طور پر تاریکی میں چھوڑ کر اپنے متبعین کو متیر اور شذر نہیں چھوڑتا۔ قرآن کریم کی موجودگی میں کسی شخص کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اصولی طور پر کسی دوسری مشعل راہ کی مطلقاً کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی آخری کتاب اور حق و صداقت کی علمبردار اور رہبر معرفت باری اور ہادی سبیل رب کی آمد سے خزان خلالت بالکل ختم ہو چکی ہے اور کلمہ حق کا موسم ربیع شروع ہو کر اپنے کمال عروج تک پہنچ چکا ہے۔ یہ مبارک کتاب پورے تیس سال میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس کی ابتداء غار حرا میں ہوئی اور پھر

اور کسی کام میں کوئی لونی سا تامل بھی نہیں کرتے۔

ایمان بالکتاب

اللہ تعالیٰ کی جملہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اصلاح اور ہدایت کی خاطر وقتاً فوقتاً حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے ہیں جن کی صحیح گنتی تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے البتہ بعض علماء عقائد نے لکھا ہے کہ ایک سو چار کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ نے نازل کئے (فتوح العقائد ص ۵۴ وغیرہ) جن میں چار کتابیں مشہور تر ہیں۔ توداۃ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ تہذیب جو حضرت داؤد علیہ السلام پر آئی اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منزل ہوئی اور قرآن کریم جو سیدہ الرسل امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ ان تمام ہدایت ناموں میں دین و دنیا کی فوز و فلاح اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اصلاح نہایت احسن اور اعلیٰ طریقہ سے بیان کی گئی ہے جس سے زیادہ بہتر اور کوئی طریقہ متصور نہیں کیا جاسکتا۔

آخری کتاب

قرآن پاک جو مذہب اسلام کی اصل اور اساس ہے، جان و مال کی حفاظت کا محکم اور اہل نظام ہے۔ بدی اور بدکرداری کو ناپود کرنے کا ایک ناقابل تبسّخ و ترمیم ضابطہ ہے

تقریباً تیرہ سال مکہ مکرمہ میں نازل ہوتی رہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو دس سال یہ کتاب موقع اور ضرورت کے مطابق وہاں نازل ہوتی تھی تاکہ اس کا آخری پیغام عرفات کے وسیع میدان میں جمعہ کے دن نازل ہوا جس کو ایک لاکھ سے زائد شیعہ نبوت کے پر والوں نے سنا اور سعادتِ عظمیٰ اور اتمامِ نعمت کی بشارتِ عظیمہ سن کر فرطِ مسرت اور بے حد خوشی سے زمزمہ تجرید سے سرشار ہو گئے۔ وہ آخری نسخہ یہ ہے:-

اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَقَمْتُ
عَلَيْكُمْ مَعَايِشِي وَ رَضِيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ
دُنْيَا - (پ ۶ - المائدہ ۱۰)
آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ہے۔

ایمان بالرسول

اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض برگزیدہ بندوں کو وحی اور الہام کے ذریعہ علم عطا فرماتا ہے جو ظاہری حواس سے بالاتر ایک ذریعہ علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی جو علم حاصل ہوتا ہے، اس میں نہ تو عقل ترمیم کر سکتی ہے اور نہ ترمیم و تصرف کا حق ہی رکھتی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم، کوئی ملک اور کوئی زمانہ ایسا نہیں بنایا جاسکتا کہ کسی نہ کسی رنگ میں نسلِ انسانی وحیِ الہی کے عقیدہ سے الگ رہی ہے اور فطرتِ انسانی کی تشکیلی ذریعہ وحیِ مبتدلہ سیرابی نہ ہوتی رہی ہو۔ یہ

وہ مقدس اور برگزیدہ گروہ ہے جو خدا تعالیٰ کی بسائی ہوئی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں اور متعدد زمانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت اور ارشاد و تبلیغ کا چراغ روشن کرنا۔ آج انس و جنس کے سرمایہ میں جتنی کچھ فلاح و سعادت، زہد و ریاضت، تفویض و ورع، خدا ترسی و خلعت پروری، روحانیت و معائنِ اخلاق، غیر مذہبی فیضِ ربانی، پاکدامنی و جفا تحمل و صبر، کفایتِ شعاری و استباز، عالی ہمتی و صلح پسندی، سچی محبت و ہمدردی، توکلِ بجا اور رضا بالقضار وغیرہ عمدہ اخلاق و اعمال اور اعلیٰ و ارفع زندگیوں کے جو کچھ اور جتنے کچھ ایسے اور نیک اثرات اور نتائج موجود ہیں، وہ سب انہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ کیونکہ اس عالمِ فانی کی کوئی چسپ زائدی نہیں۔ ان حضرات کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ کیونکہ ہر پید ہونے والے کے لیے مرنا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ لیکن کیا ہی خوش بخت و سعادت مذہب ہے وہ موت جو مقصدِ حیات کی تکمیل کے بعد آئے۔ یہی وہ قابلِ رشک موت ہے جس پر نفسِ شکاری کی لاکھوں زندگیاں تصدق کی جاسکتی ہیں اور اسی موت میں حیاتِ ابدی کا بھید اور راز پوشیدہ ہے۔ محض خواب و خوراک بلذہ و تعیش کی زندگی ایک ہیمانہ اور حیوانی زندگی اور کھیل و شغل کا سامان ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَ اَلْعِبٰثُ (آلہ ۲۰)۔ یہ حضرات آنے والوں کی مہربانی کے لیے جگہ جگہ اپنے نیک آثار اور نقشِ قدم چھوڑ گئے ہیں۔ جو بزبانِ حال و قال پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ:۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے کسے دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی

نبوت اور رسالت کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سجاری رہا ہے

الغرض ابتدائے آفرینش سے انسانوں کے لیے سلسلہ رشد و ہدایت کا منج اور اسلوب ہی رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تشریف لانا اور پیغامات خداوندی لوگوں تک پہنچانا۔ خوبھی اُن پر پابندی کرنا اور اپنے متبعین اور پیروکاروں سے بھی عمل کروانا اور پھر دنیا سے چلا جانا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ پیغامات اور احکام اُن کی قوم کے پاس صحیح اور اصلی شکل میں محفوظ رہتے لیکن ازال بعد جب اسباب تغیر و اختیار کی خود غرضانہ مکاریاں اور میلہ جوئیاں اپنا درست تصرف بڑھاتیں تو اس صانع شفاف اور شیریں چشمہ کو اپنے قلبی میلانات و رجحانات اور نفسی خواہشات و امیلاں اور خود ساختہ اور خود تراشیدہ ذہنی تصورات و تخیلات کی آمیزش سے اس قدر مکدر کر دیتیں کہ کچھ عرصہ کے بعد اصلیت اور حقیقت انہی الالہیوں اور آویز شول میں مفقود ہو کر رہ جاتی اور انسانوں کی یہ گم کردہ راہ جماعت وحی الہی کی روشنی کے بغیر تاریکی میں رہ جاتی ہے اور اس وحشت و جہالت کے عالم میں حق کا متلاشی انسان ادھر ادھر مارا مارا پھرتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی اس وسیع مہربانی پر اسے کہیں روحانی حیات کا نشان اور خوشنودی حق کی تازگی کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا۔ ہر گوشہ اور ہر طرف سے یوں ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور صرف ایک مشکل گٹ اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ مَسِّئِیْ نَصْرُ اللّٰہِ۔

اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مذہب اپنے نبی اور رسول کی سیرت اور

عملی زندگی کے بغیر بالکل ناکام رہتا ہے۔ جب نبوت یہاں تک پہنچ جاتی تو پھر ایک اور رسول اور نبی آجاتا اور پیغام باری تعالیٰ کو ان تمام تحریکات اور الحاقات سے بالکل پاک و صاف کر کے اس کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کر دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

قال کانن بنو اسرائیل ففسوسہم ان نبیاد کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکن خلفہ فیکثرون (الحديث) بخاری ج ۱ ص ۹۱
ہم ج ۲ ص ۲۱۷ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۱
آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح و ریاست حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں تھی جب ایک نبی چلا جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی تشریف لے آتا اور یہ یاد رکھنا کہ میرے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی ہاں البتہ خلفاء بکثرت ہوں گے۔

یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا تھا آخر حضرات انبیاء بنی اسرائیل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے آخری نبی صاحب انجیل تشریف لائے تو انہوں نے اپنی نبوت و رسالت کو صرف بنی اسرائیل تک محدود ہونے کا واشکاف الغلط میں ایک خاص موقع پر اپنے مخلص شاگردوں کے سامنے یوں اعلان فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں (جو امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کی سرسبز دشا و آب اور لہلہاتی ہوتی کھیتی چر گئی ہیں) اور کہیں تو بھیڑیوں کے بجائے بھیڑیوں کی صورت میں نمودار ہوئی ہیں۔ فوالسفا) کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی۔ ص ۱۵۔ آیت ۲۴)

اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بارہ حواریوں کو (جن کے نام بتا کر ان کو بارہ رسولوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۲ آیت ۲ تا ۲۸)

تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان کو یہ حکم دیا کہ ۔ "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا" بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (انجیل متی۔ باب ۵-۶)

اور قرآن کریم بھی اس کو صاف الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت اور رسالت صرف بنی اسرائیل کی قوم تک محدود تھی۔ انجیل کے اس بالا حوالے کے بعد جو بالکل صاف اور صریح ہے عیسائیوں کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عیسائے اسرائیلیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کریں کیونکہ جب حضرت یسوع مسیح علیہ السلام صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے رسول ہیں تو وہ بھلا نام دنیا کے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اور ان کی تعلیم کیسے عام ہو سکتی ہے۔ یہ کام تو صرف دنیا کے سردار کا ہے جو سامری کائنات کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

غرض رسالت

انسان کی اس پیاس کو بجھانے کی غرض سے جو عہد یشاق میں اقرار ربوبیت، معرفت الہی، رضائے خداوندی اور اپنی تخلیق اور زندگی کے حقیقی مقصد سے آگاہی اور دائمی وابدی راحت حاصل کرنے کے لیے اس کی فطرت میں ولایت کی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور رحمت و رأفت سے حضرات انبیاء و اول علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو وحی والہام کے ذریعہ ہدایت نامے دیے کیونکہ جبکہ اس سرزمین پر نسل انسانی آباد ہوتی ہے ٹھیک اسی وقت سے انسانوں میں جہانی بیماریوں کی طرح روحانی اور اخلاقی بیماریاں بھی بستر جمی آتی ہیں اور اسی وقت

سے انہی مملکت امراض کے معالجوں (یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ جنہوں نے عقائد و اعمال اخلاقی و معاملات اور ان لوگوں کے باہمی تعلقات کو قوی و عملی شکل میں نمایاں طور پر واضح کیا ہے جن کے ذریعہ انسان عظیم الشان فوز و فلاح اور سعادت و اربابین سے ہنگامہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر مملکت اور ہر قوم میں خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہادیوں اور رسولوں کا آنا اور اگر اللہ تعالیٰ کی توحید خالص اور دیگر اہم بنیادی عقائد و مسائل سے آگاہ کرنا ایک نہایت ہی ضروری امر تھا اور اللہ تعالیٰ نے صرف نسل انسانی ہی میں مختلف اقوام اور متعدد ممالک میں مناسب اوقات میں نبی اور رسول بھیجے جو اپنی اپنی قوم کے لیے مشعل راہ اور چراغ ہدایت ثابت ہوئے، کیونکہ اس رؤف و رحیم اور رب العالمین کی شان اقدس سے بالکل ہی بعید تھا کہ وہ مخلوق کی جہانی پرورش اور حفاظت کے لیے تو تمام ضروری سامان متیا کر دیتا مگر ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت سے وہ غافل اور بے خبر رہتا۔ معاذ اللہ جبکہ مخلوق کی حقیقی فلاح و کامرانی صرف روحانی و اخلاقی تربیت ہی سے وابستہ ہے لہذا حقیقی صلاح و فلاح اور فوز و نجات کے لیے اللہ ضرورت تھی کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے طریقے سکھائے اور رضائے الہی کی راہیں بتانے کے لیے دنیا میں نبی اور رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ۔

لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو عذاب خداوندی سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کی طرف ہدایت کرنے والا آیا ہے۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَبِخَلْقِ قَوْمٍ
ہاجہ (پ ۱۳۔ رد ۱۰)

ان پیغمبروں اور بادلوں (علیہم السلام) نے ہمیشہ ان لوگوں کو صحیح النیست پر قائم رکھنے کی کوشش اور کاوش کی اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو استوار اور خوشگوار رکھ کر معبود حقیقی کی عبادت بجالانے کی تلقین کی، اس سبب میں ان کو کبھی تو غلط و ہند سے کام لینا پڑا اور کبھی ضعیفوں اور کمزوروں کو بہادر اور دلیر بنا کر کم فہم اور کشر ظالموں کا سر توڑنے اور ان کے کبر و غرور کو پیوند زمین کرنے کی ضرورت ہمیشہ آتی انہیں بادلوں اور رہبروں کی لائی اور پیش کی ہوئی پاک تعلیمات کا یہ اثر اور نتیجہ تھا کہ دنیا میں بار بار ظلم و عساکار اور جور و طغیان کے سیاہ طوفان برپا ہونے کے بعد نیت و نابود ہو گئے۔ دنیا میں توحید خداوندی کا علم بلند ہوا اور ان کی روحانیت اور اخلاق حسنہ کی برکت سے کفر و شرک کی تاریکیوں کے تمام پروے چاک ہو گئے۔ اور سینکڑوں برس کے بھٹکے ہوئے غلاموں کو اپنے حقیقی مالک اور محسن آقا کے سامنے سر جھکانا نصیب ہوا اور صدیوں کے بھٹکے ہوئے مفید اسباق ان کے قلوب و اذان میں تازہ ہو گئے اور ان کے مژدہ دلوں کی اجڑی ہوئی بستیوں میں وہ آتش شوق بھڑک گئی جس نے کفر و شرک کی دنیا کو جلا کر ان کی آن میں خاک سیاہ کر دیا۔ اخوت و ہمدردی کا وہ پائدار رشتہ جو حرف غلط کی طرح دُنیاست سے مٹ چکا تھا۔ ان کی پیہم سخی اور کوشش سے پھر استوار ہو گیا۔ دشمن دوست بنے اور بیگانوں میں یگانگت نے راہ پائی۔ بے راہوں نے سیدھی راہ دیکھی اور اضطراب حال اور بے چینوں کو چین نصیب ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے پیغمبر اور اس کے رسول اپنی دنیا کے ہادی اور وقت کے رہنما خاص قوموں اور خاص ملکوں کے لیے نذیر و انذیر بن کر آئے ہیں اور اپنی رسالت کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے اور

محدود حلقوں میں خدا تعالیٰ کا پیغام شاکر رسالت اور نبوت کا حق ادا کرتے رہے اور یہ تمام کو اکاب نبوت اپنے اپنے زمانہ میں وحی الہی کی اعجاز میں تربیت، پاکر و نسب، کوروش اور درخشاں بناتے اور اپنی اپنی قوم کو راہ ہدایت، پر لانے کی جدوجہد کرتے رہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک وقت رشتہ ہدایت اور تعلیم و تربیت کے شاہ بھی تھے اور فوز و فلاح کی بشارت۔ سنانے والے مبشر بھی، انجمنوں اور غافلوں کو بیدار کرنے والے نذیر بھی تھے اور بھٹکے ہوؤں کو خدا تعالیٰ کی طرف پھارنے والے داعی بھی۔

نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت

پھر ایک وقت آیا کہ سب سے بڑا اور عظیم الشان طوفان برپا ہوا جس نے تمام روئے زمین کا احاطہ کر لیا اور تمام جہان پر چھا گیا۔ سطح ارضی کا چہرہ چہرہ بدلنے والا اور مالک حقیقی کو فراموش کر کے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں معبودان باطلہ کی عبادت میں مصروف و منہمک ہو گیا اور دنیا میں بسنے والی مخلوق فوجِ نبوت اور فیضانِ رسالت سے محروم ہو چکی۔ شرک، کفر، جہالت اور ضلالت کے سیاہ اور گھٹنگو بادل تیرہ تفرج ہوتے اور کفر و شرک، جہل و ضلالت، ظلم و جور کی نامبارک اور منحوس بادشہ برسا بلے جس سے تمام سرزمین شرک و جہالت کی ظلمت سے تیرہ ناز ہو چکی اور انسان اپنے ہادیوں، رہبروں اور پیغمبروں کی صحیح تعلیمات کو فراموش کر کے انتہائی زہالت و جہالت کے قعرِ ظلمت میں گر چکی اور ہر قوم کے شریفانہ اخلاق سے مبرا

ہو چکی۔ مغرضیکہ دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں انسانی نسل اپنی انسانیت اور شرافت پر قائم نظر نہیں آتی تھی اور تمام بد و بکر اخلاق و روحانیت سے محروم ہو کر بکرا چکے تھے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ
کے مافوق کی کمان کی وجہ سے۔

مگر ان تمام بدترینوں اور جہالتوں کا سر کرنے کی نقطہ اور تازیکیوں اور ظلمتوں کا مروجہ و منبع ملک عرب تھا جہاں کفر و شرک کا دور اور بد اخلاقی کا زور تھا۔ حرام کاری اور قمار بازی کا طوفان اور بے حیائی و خونریزی کا یہ جان تھا۔ انسان کی گردن جسے فطری طور پر خالق کا شرافت نے سر بلندی عطا فرمائی تھی۔ وہ ان کے اپنے خیالی اور خود تراشت بد معیروں کے سامنے سجدہ و بزمی تھی۔ اگر اس وقت اخلاق و مکارم کی دنیا میں شرم و حیا ایک طرف سر جھکا گئے کٹری تھی تو امانت و دیانت دوسری طرف مٹ چپائے پڑی تھی۔ بد کاری اور حیا سوزی کی کوئی قبیح حرکت ایسی نہ تھی جسے اُس زمانہ شرف و فساد میں اجازت و اباحت کی سند نہ مل چکی ہو۔ شقاوت قلبی اور بدستی کی کوئی لغزش ایسی نہ تھی جس پر کوئی ادنیٰ سی پابندی بھی باقی رہ گئی ہو۔ قصور شاہی اور مجالس اُمر و اکو کا لوگنا ہی کیا ہے۔ تقدس و عقیدت کے مذہبی اور دینی مراکز و محافل تک حیا سوز اور رسوا کن فواجش و منکراہیکے اُٹسے بن چکے تھے۔ انصاف اور عدل کی مجلسیں ناخوش تخلیق اور عزم و عرفان کی شمعیں بجھ چکی تھیں وحشت اور بربریت کی تاریکیاں ہر طرف بزم انسانیت پرستولی اور غالب تھیں۔ عقائد و اعمال اخلاق و معاملات، معاشرتی و معاشی، عائلی و تمدنی مغرضیکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو اور شعبہ ایسا نہ تھا جس پر غیر فطری اور غیر انسانی اخلاق غلبہ نہ پائے ہوں فسق و فجور قتل و غارتگری، ربزنی و سفاکی، شرابخوری

و فحش گوئی، قساوت قلبی اور عریاں نگاری، کذب و غرور، نا انصافی و خود غرضی، بد معی و بگنائی، قطع رحمی و فساد و غیرہ بڑے عقائد و اعمال اور قبیح اخلاق و معاملات، ان کی بد اخلاقی کے آئینہ دار تھے، اور ان معائب اور فوہائے کچھ ایسی ہمہ گیر صورت اور حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ وہ لوگ ان پر نادم و شرمندہ ہونے کے بجائے اُسے فخر و نازاں تھے۔ گمراہی اور ضلالت ہر طرف اور ہر کیفیت سے اُن پر چھا گئی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بلا حجبہ نہیں ہے کہ اِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ مِنْهُ مُشْرِكِينَ

اُس وقت دنیا کی اس بکڑی ہوئی حالت کو تبدیل کرنے کے لیے رحمت بنی تعالیٰ نزلت میں آئی۔ سرزمین حجاز کی خفیہ قیمت جاگی۔ مکہ کی برہنہ چٹانوں اور بے آب و گیاہ وادیوں پر پروردگار عالم کی ساری رحمتوں کے دروازے کھل گئے۔ بلکہ امین کی گلیوں کے دروازے کا طالع خفیہ بیدار ہوا جس مقدس سستی کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) نے اپنے رب کے حضور دُعا کی اَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ کے الفاظ سے دست دعا اور دامن سوال پھیلا کر مانگا تھا اور جس برگزیدہ ذات کی آمد کی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور سینین پر بنی اسرائیل کو دی تھی اور جس مبارک وجود کے آنے کی بشارت حضرت مسیح علیہ السلام نے کوہ زینون پر اپنے مخلص عاریوں کو سنائی تھی اور جس با عظمت شخصیت کے انتظار میں زمانہ نے ہزاروں برس صرف کر دیے اور لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں اور جس افضل ترین مخلوق کی خوشی میں شمس و قمر اور سیارے نے بے شمار اور اُن گنت چکر لگائے تھے اور یوں و نہار کے انقلاب نے ہزاروں مرتبہ موسمِ ذیج و خزاں کو بدلتے دیکھا تھا، بالآخر خالق احضار و سمارنے اس دعائے خلیل و امان کے حکیم اور نویدِ مسیحا کو آفتابِ ہدایت بنا کر

ملک عرب میں پہلوئے آمنہ سے پیدا اور غار حراء سے طالع اور ہویدا کیا۔
 ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا۔ دعدئے خلیل اور نوید مسیحا
 اُس سراج منیر نے مبعوث ہو کر دنیا کی تاریکی کو دور اور لُغۃ ارضی کو پر نور بنا دیا۔ بنی
 نوح ان کی ضائع شدہ شرافت، پھر واپس آئی اور اولاد آدم نے اپنی فطری قربت
 اور آزادی کا صحیح مقام پہچان لیا۔ ہر طرف سے خوشیوں کے جھنڈے اُبلنے لگے۔ آفتاب
 مستانے قہقہہ لگایا، چاند مسکرایا، ککشاں نے تبسم کیا، ستارے مسرور ہوئے اور
 آسمان سے وحی کی بارشیں برسی اور اُس وقت محصور فرشتوں کو اپنی اَعْلَمُ مَکَا
 لُہُ تَعْلَمُوْنَ کا سر بستہ راز اور حید کا حقہ سمجھ میں آیا۔ زمین و زمان میں مبارکباد اور
 خوش آمدید کی پُرجیبت صدائیں بلند ہوئیں، طائرانِ جن نے وجد و حال کی غمور کیفیت
 میں سرسبز ہو کر نغمہ سرائی کی، ننھے ننھے پروانوں نے خوشی میں آکر رقص کرتے ہوئے
 آتش سوزاں میں کود کر خالق کائنات کی بارگاہ میں جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کیا۔
 اور عالم کے ذرے ذرے نے زبانِ حال سے مرجا کہتے ہوئے صلوٰۃ وسلام
 کا تحفہ بھیجا۔ ارحم الراحمین کا سحاب کرم زندہ امیدوں اور درخشندہ تمناؤں کی ہزار
 خوشیاں اپنے مبارک پہلو میں لئے ریح الاول کے مابرت جینے میں خادان کی چوٹیوں
 پر جھوم جھوم کر آیا اور مکہ مکرمہ کی پاک اور مقدس وادیوں میں خوب کھل کھلا کر برسا۔
 جس سے ان نیت و شرافت اور دیانت و امانت کی مرجانی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں
 کفر کا غرور ٹوٹ گیا، جاہلیت کی باطل اقدار سرنگوں ہوئیں اور اسلام کا پرچم عظمت
 سر بلند ہوا اور کیوں نہ ہوتا۔

نفسِ نفس پہ مغفرت، قدم قدم پہ برکتیں
 جدھر جدھر کہ وہ شفیع عاصیاں گذر گئی
 جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے ات جنگ
 وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا
 اور یکایک وہ وقت، آپہنچا کہ ایران کے آتشکدوں کی شعلہ زن اگر ٹھنڈی ہو گئی
 دنیا کے صنم کدوں کے بُت پاش پاش ہو گئے۔ اجار و رہبان کی باطل معبودیت کا بھل
 طوق، قیصر و کسریٰ کے ظلم و استبداد کی مضبوط اور گرزاں بار نہ بچیں۔ بد شگونی اور وہم
 پرستی کی حیا سوز بندشیں، قتل و غارت اور دُختر کشی کی ظالمانہ رہیں، شراب نوشی
 اور خمر بالا باد کی بے جا حرکتیں، قومیت اور وطنیت کی غیر فطری حد بندیاں سب
 ایک ایک کر کے ٹوٹی چلی گئیں۔ کیونکہ رہبرِ کامل ہادیِ برحق، خدا کے واحد کماندوی،
 توحید خالص کا داعی، امن و سلامتی کا پیغامبر، یتیموں اور یرمواؤں کا سہارا، بے کسوں اور
 ضعیفوں کا مالدی، غلاموں اور لونڈیوں کا ہمدرد اور عالم انسانیت کو اُس کا مصلوب حق
 واپس دلانے والا معین مبعوث ہو چکا جس کی آمد سے تمام دنیا سے طاعونِ قوتوں اور
 اور اہلساز طاقتوں کی کشش و جاذبیت، کے فرعونی تخت اُلٹ گئے، اور ادیانِ باطلہ
 کی نبضیں جھوٹ گئیں۔ وہ آنے والا آگیا جو ہیکر جلال و جمال کا حسین ترین مجموعہ اور باغبانِ
 ازل کے سرسبز و شاداب چمنستان کا خوشنما پھول اور روحانیت و اخلاق کا خوش آئند گلدستہ ہے
 یہ بزرگ ترین مہتی قہر نبوت کی آخری اینٹ اور اُس کا روانِ مرشد و ہدایت کی آخری کڑی
 تھی جو کبھی جو دی کی بلند چوٹیوں پر بٹھرا اور کبھی ملکِ شام کے سبزہ زاروں میں دوکا۔ کبھی
 بابل و عراق کے ریگستانوں اور تختوں کو ٹپکا اور کبھی نیل کی وادیوں میں گھوما، کبھی سینا کی

پہاڑیوں سے گزرا اور کبھی یروشلم کے میدانوں میں اتر، کبھی سبا اور مدین میں وارد ہوا اور کبھی وادی غیر ذی زرع میں نازل ہوا اور پھر آخر میں بلقاء کے وسیع صحراؤں میں فوکش ہوا کیا خوش نصیب ہے وہ امت اور کیا نیک بعثت۔ اور سعادت مند ہے وہ قوم جس کی قسمت میں اس مبارک گروہ کی آخری کشتی اور گراں باہر موتیوں کا درہ تیمم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین اور رحمت ہمدانہ عیسیٰ بزرگ ہستی صمد میں آئی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس خوش بخت قوم کو یہ مبارک دولت اور بے پایاں نعمت مل گئی اُس کو قدرت کی سب عنایات مل گئیں۔ اس کو اس نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ گرانمایہ کے بعد کسی اور نعمت و دولت کی کیا حاجت؟ سہ سب کچھ خدا سے مانگ لیا تبخیر کو مانگ کر اٹھتے نہیں ہیں، ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

احسانِ عظیم

اگرچہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کے لاکھوں اور کروڑوں انعامات و احسانات بھیجے ہیں جن کا احصاء و شمار بھی حیطۂ امکان سے باہر ہے چہ جائیکہ اُن کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ مگر جس امت کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جلیل المرتبت اور عظیم الشان مہتمی حرمات فرمائی ہے اس پر تو بے حد اور بڑا ہی احسان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ
بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَرُوْا
اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِرُفْعِ هٰنِلِ بْنِ اٰدَمَ
(پیک۔ آل عمران - ۱۷)

اس سے صاف طور پر یہ امر واضح ہو گیا کہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہو رہا ہے کیونکہ اُس نے انہی کی جنس اور انہی کی نوع کا ایک۔ بشر آدمی اور انسان رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا، بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم کے انوار و برکات کا استغدادہ کرنا آسان ہے۔ ان کے احوال، اخلاق، سوانح زندگی، امانت و دیانت، خدا ترسی اور پاک بازی سے وہ غریب، اور اچھی طرح واقف تھے، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ رسول اور نبی سے ان ان لوں کا استغدادہ اور اکتساب فیض بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی انسان اور بشر ہو۔ کیونکہ اصلاح کے لیے صرف علم ہی کافی نہیں بلکہ احساس کی بھی ضرورت ہے۔ پس جو علم نہیں کھا سکتا وہ مغزوہ اور دیگر کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا اور جو محسوس و پیاس کی تکلیف سے آزاد اور بے شعور ہو وہ بھر کے اور پیاسے کے ساتھ صحیح دسوزی اور صبر کی تلقین کرنا بھی نہیں جانتا جو میدانِ کارزار میں دشمن کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے زخم نہیں کھانا وہ شہادت فی سبیل اللہ اور تبلیغ دین کے سلسلے میں زخمی ہونے کی ترغیب بھی نہیں دے سکتا۔ جو خود اپنے کسی لحظت جگر اور نورِ نظر کے فراق کا صدمہ نہیں اٹھاتا وہ بالے ہی موقع پر

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي
أَمُّهُ أَحْمَدُ (پیش - الصفحہ ۱۰)

کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی اور اپنے بعد
ایک رسول کی بشارت سنا آہوں جس کا نام
احمد ہوگا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس سے بالکل آشکارا ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے جو صرف
بنی اسرائیل کے رسول تھے، اپنی قوم کا نام لے کر اس کو یہ بشارت دی تھی کہ میرے بعد
ایک اور صرف ایک نبی دنیا میں تشریف لائے گا جس کا نام مبارک احمد ہوگا۔
(صلی اللہ علیہ وسلم)

سابق آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں پادری صاحبان کی کوششہ سازیلوں سے جو جو
تحریفات و الحاقات اور تراجم و اضافات ہوئے، وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے،
اور انصاف کی دنیا میں اس کی تردید امر محال ہے۔ ہم نے اس کی کچھ بادل اہل بحث اپنی
کتاب عیسائیت کا پس منظر میں کر دی ہے۔ لیکن بایں ہمہ تحریفات آج بھی تورات و
انجیل وغیرہ میں بشارت کا ایک غیر مبہم حصہ موجود ہے۔ چند حوالے ہم عرض کرتے ہیں۔

صاحب تورات کی بشارت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت اسحق علیہ السلام کی اولاد کو خطاب کرتے
ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

”خداوند تمہارا خدا تمہارے لیے تمہارے ہی بیج سے یعنی تمہارے ہی بھائیوں
دولاد اسمعیل علیہ السلام) میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی

سننا۔ (تورات استثناء - باب ۱۸ - آیت ۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں
سے ایک نبی کا برپا ہونا ضروری تھا اور تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت
اسمعیل کی اولاد میں بجز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی برپا اور مبعوث نہیں
ہوا اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ نبی بنی اسحاق سے نہ ہوگا بلکہ بنی اسماعیل سے ہوگا
اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند مستقل شریعت، کتاب والا، صاحب جہاد، اللہ
تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت کرنے والا اور متعدد واز وراج مطہرات کا شہر ہوگا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی تاکید فرم گئے ہیں کہ تم اس کی سننا اور اس کی
اطاعت، و فرمانبرداری کرنا۔ اور خود رہت، ذوالجلال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب
کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

”میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں (اسمعیلوں) میں سے تیری مانند
ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں نے
حکم دوں گا وہی اُن سے کہے گا۔ (استثناء باب ۱۸ - آیت ۱۹)

وہ نبی بحق جب تشریف لائے تو اُن کی صفات اور خوبی رب تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ:-
وَمَا يَخْلُقُ عَنْ الْخُفَىٰ اِنَّ هُوَ
رَاحٌ وَنَجِيٌّ يَوْمَئِذٍ اَتَىٰ اَنْفُسًا وَهِيَ هَوًى
یعنی وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ جو
وحی ہوتی ہے وہ اُس کے مطابق بولتا ہے
اور جو حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا وہی بلا کم و کاست، آپ نے پہنچایا۔

آج کی محرف انجیل میں بھی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
انجیل کی شہادت اس کی آمد کی خوشخبریاں موجود ہیں جن کی تخریص معنوی

کے لیے پادری صاحبان ہر وقت کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو بشارت دی ہیں۔ ہم بطور نمونہ مشتے از خرواہ چند عرض کرتے ہیں:-

① "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مدگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" (انجیل یوحنا باب ۱۴-آیت ۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اس آنے والے مدگار (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت ابدی ہوگی اور اس کو کوئی نسخ نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ جامع نزاد تمام اقوام عالم کے لیے موزوں ہوگی۔

② "لیکن مدگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہے وہ سب تمہیں یاد دلانے گا" (انجیل یوحنا باب ۱۴-آیت ۲۶)

یعنی جیسے میں نبی ہوں اسی طرح وہ بھی نبی ہوگا اور نبی اور رسول ہی کے نام اور وصفت سے اُس کو خدا (باپ) بھیجے گا۔ نہ تو وہ خدا ہوگا۔ نہ خدا کا بیٹا اور نہ خدا کی جزویہ یا یاد رہے کہ یہاں باپ کا لفظ محض مجاز اور تشفی کے طور پر استعمال ہوا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر عیسائیت کا پس منظر میں ہم نے اس کی کچھ بحث کر دی ہے۔

③ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں" (انجیل یوحنا باب ۱۴-آیت ۳۰)

یعنی میں تو صرف بنی اسرائیل کا رسول ہوں اور صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی ہیروں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ مگر وہ آنے والا دنیا کا سردار ہوگا اور جو کالائت اور درجات اُن کو حاصل ہوں گے وہ مجھے حاصل نہیں ہیں کیونکہ مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔

یہ یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ "احمد" کے ساتھ بشارت دی تھی جس کا ترجمہ یونانی زبان میں پیر کلوطس تھا جس کا عبرانی میں ترجمہ خادقلیط سے کیا گیا تھا اور اب اس کا ترجمہ اناجیل کے کرمزما مترجمین نے اپنی خود پسند اور من بھاتی رائے سے مدوگار۔ وکیل، شفیق، بزرگ۔ روح القدس اور روح حق قرار دیا ہے۔ جو باوجود تحریف کے ان کے لیے چنداں مفید نہیں ہے۔

بعض دریدہ دہن پادریوں نے جن میں خصوصیت سے پادری گولڈیک قابل ذکر ہیں، دنیا کے سردار کا معنی شیطان کیا ہے (معاذ اللہ) مگر یہ تاویل اتنی بیہودہ اور لالچی ہے کہ کوئی عقلمند اس کو سننے کے لیے تیار نہیں اور جو کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً کیا شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نہ تھا جس کے بارے میں انہوں نے یہ فرمایا کہ میں جاؤں گا تو وہ آئے گا۔ جیسا کہ آگے اس کا حوالہ آ رہا ہے۔

④ شیطان کا آنا کون سی بشارت ہے جس کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے مخلص حواریوں کو خوشخبری سنانے پر مجبور تھے؟

⑤ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب (باپ) سے درخواست کر کے شیطان کو بھجوا دیا تھا؟ شیطان کو کسی نعمت یا غیر مترقبہ نفعی جس کے لیے انہوں نے درخواست کی؟

⑥ اور کیا عیسائی شیطان لعین کو اپنا مدگار سمجھتے ہیں؟ اگر سچ شیطان ان کا مدگار ہے تو ان کا مخالف اور دشمن کون ہے؟

⑦ اور کیا شیطان کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر بھیجا تھا۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔

① اور کیا شیطان وہ باتیں لوگوں کو داور خصوصاً بنی اسرائیل کو سکھاتا رہا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو سکھاتے تھے۔ وہ تو صاف فرماتے ہیں کہ وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تمہارے کہہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلانے گا۔

② اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ ایسے یسوع بھی باکمال اور صاحب فضائل اور دنیا کا سرور ہے؟ جو جو کلمات اس میں ہیں وہ مجھے حاصل نہیں ہیں۔ مجھ میں اس کا کچھ نہیں ہے۔ کیا پادری صاحبان کے نزدیک شیطان واقعی صاحب فضائل ہے؟ اور فضائل بھی ایسے جو حضرت یسوع مسیح کو حاصل نہیں۔

③ کیا عیسائیوں کے نزدیک حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے شیطان کے آئے کو فائدہ مند کہا ہے۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ لیکن میں تم سے سچ لکھتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں تو تمہارے پاس مسیح دوں گا۔ (یوحنا باب ۱۴ - آیت ۷)

④ اور کیا عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو سچائی کی روح کہا ہے؟ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان تمہیں تمام سچائی کی راہ دکھائے گا؟ اور کیا حضرت یسوع نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان اپنی طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو سنے گا وہ کہے گا؟ اور کیا شیطان آئندہ کی خبریں دے گا؟ اور کیا شیطان حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا جلال ظاہر کرے گا؟ (معاذ اللہ) وہ تو صریح الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ

کی خبریں سنے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں سنے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرے اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دینگا۔ (یوحنا باب ۱۴ - آیت ۱۵)

الغرض پادری صاحبان کی جملہ دیکھتا دیکھتا کو انجیل مقدس کا ایک ایک جملہ اور ایک ایک آیت ایسا تو کرتی اور ان کے لیے نکھینے اُدھیر پڑتی ہے کہ ساری دنیا کے پادری بشمولیت پاپائے روم اس کو رد فرما کر کہیں۔

⑤ اور اس سے بڑھ کر انجیل برنباس میں صریح الفاظ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت موجود ہے۔ اور غالباً اسی صریح بشارت کو دیکھ کر پڑھ کر بعض پادری صاحبان نے بوجھل ہٹ کے عالم میں بدحواس اور لاجواب ہو کر سر سے انجیل برنباس کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے مگر ان کے انکار سے کیا بننا ہے؟ کیا ثابت شدہ حقیقت بھی کسی کے انکار سے معدوم ہو سکتی ہے؟ اور انصاف کی دنیا میں ایسے مطلب کے انکار کو کون سُنتا ہے۔

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:-

”پس جب کہ آدمیوں نے مجھ کو اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا تھا مگر یہ کہ میں خود دنیا میں بے گناہ تھا اس لیے اللہ نے ارادہ کیا کہ اس دنیا میں آدمی یہود کی موت سے مجھ سے ٹھٹھا کریں یہ خیال کر کے کہ وہ میں ہی ہوں جو کہ صلیب پر مرا ہوں تاکہ قیامت کے دن میں شیطان مجھ سے ٹھٹھا نہ کریں۔ اور یہ بدنامی اس وقت تک باقی ہے گی جب کہ محمد رسول اللہ آئے گا جو کہ آتے ہی اس فریب کو لوگوں پر کھول دے گا جو کہ اللہ کی شریعت پر ایمان لائیں گے۔ (انجیل برنباس فصل ۱۲)

آیت ۱۹-۲۰۔

انجیل برتیس کے اس حوالہ کا ذکر پادری سیل صاحب نے بھی کیا ہے۔ دریکھے
مقدمہ ترجمہ قرآن مرقومہ پادری سیل صاحب مطبوعہ ۱۸۵۷ء

تورات و انجیل کی ان روشن بشارات کے بعد بھی اگر عیسائی جناب محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں تو اس کا مطلب
اس کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ انتہائی ہٹ دھرم اور حق ناشناس ہیں جس کا علاج
اس جو مان میں تو عداوت ممکن نہیں، ہل مارنے کے بعد ضرور آنکھیں کھلیں گی اور وہ ان
پر منکشف ہوگا کہ انکار حق اور تجحود کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اور حق کا تعاون کرنا اور ساتھ
دینا کس قدر رضائے الہی کا حامل اور ابدی خوشیوں پر منتج ہوتا ہے۔

بالآخر خداوند کریم کا وہ منظر جمال و جلال سینا اور تیسرے طلوع ہوتا ہوا کہ فاران
سے آتشیں شریعت نے کر جلوہ افروز ہوا اور اس نے بھٹکی ہوئی دنیا کی رہنمائی کی اور
اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین کا اعلیٰ اور اکمل خطاب پایا جنہوں نے دنیا میں وہ
انقلاب حق برپا کیا جس کی نظیر مٹا محال ہے جس سے عرب و عجم اور یورپ و ایشیا
ممتنع ہوئے اور حق و باطل کو یوں تمیز کر دیا کہ اب اس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش
ہی نہیں مگر پرکھنے والی نگاہ درکار ہے۔

حقیقت: ہر نقاب، زندگی سے رونما ہوگی

نظر کی قوتوں کو امتیاز حق و باطل سے

جس دنیا کے سردار، روحِ حق، رحمتِ مہدۃ اور اشرف کائنات
رحمتہ مہدۃ { اس کی بشارت اور خوشخبری حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام

نے دی تھی۔ جب وہ تشریف لائے تو رب ذوالمنن نے اپنے پاک کلام میں انہیں
رحمتہ للعالمین کے مبارک القاب سے پیش کیا۔ اور پیش محض اس لیے کیا ہے تاکہ
آئے والے انسانوں کو بتا دیا جائے کہ جو شخص انسانیت کے شرفِ اعلیٰ کے مقام
بلند پر فائز ہونا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خصائص و شامل اخلاق و عادات کو وام الایمان
اور سید الرسل کے اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ معیار پر پرکھ کر دیکھے کہ کہاں تک وہ شرف
انسانیت کا حامل اور کس قدر روحانیت کا دلدادہ ہے۔ جس قدر کوئی شخص آپ کے
اسوۂ حسنہ اور عمدہ پیمانے پر پورا اترے گا۔ اسی قدر اس کی ایمانی کیفیت بڑھتی،
عملی طاقت نمایاں ہوتی، انفرادی صلاحیتیں نھرتی اور اجتماعی زندگی سلسلوی چلی جائے
گی کیونکہ لَعْدُ كَانَ لَكُلِّ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی بے شک تمہارے لئے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔

اور یہ بالکل ایک واضح حقیقت ہے کہ جب انسان نبوت و رسالت کی شانہ
سے ہٹ جاتا ہے تو انسانیت کٹش اور حاکم جراثیم ہر طرف سے اس کے رگ درلینے میں
سرایت کر جاتے ہیں تو نہ اس میں ایمان و عمل اور اخلاق و روحانیت کی بھنگی باقی رہتی
ہے اور نہ اس کی بات اور وعدے کا یقین ہوتا ہے۔ نہ تو وہ خوفِ خدا اور تقیرت سے
بہرہ ور ہوتا ہے اور نہ اس کی خودی میں استقلال نظر آتا ہے۔ وہ انسان سے اتنی لالچی
و طمع پر بھی بڑی سے بڑی مباح انسانیت بلکہ رخصت ایمان کو قربان کرنے پر بلاتا نظر آتا ہے
ہو جاتا ہے اور ذرا سا دنیوی اور مادی خوف بھی اس کی فانی زندگی کے ہر شعبہ پر عالم
نزع اور سکرات موت طاری کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور وہ ہر جہل پکار اور آواز
کو اپنے خلاف سمجھتا ہے۔ یَحْسَبُونَ كُلَّ صَاحِبِ مِرْثَةٍ عَلَيْهِ غَرَضٌ وہ حدیث

مستقیم اور اسوہ حسنہ سے الگ ہو کر بدعتیں دے علی ابے عقیق دے غیرتی اکم ہمتی
وہست فطرتی انگ نظری و بدعتی دروغ گوئی و ساز ساز، مکاری و عیاری ،
منافقت و تلون مزاجی ابد مزاجی و بدعتی و عیاشی اور تن آسانی کے عین اور پُرخطر
گڑھے میں گر جانا ہے جس سے ہند و موعظت سے متاثر ہو کر سینکڑوں جہلا گلیں لگانا
بھی اس کے لیے سود مند نہیں ہوتا اور اس قدر لذت سے اس کا نکلنا اگر عادتاً محال
نہیں تو شکل ضرور ہو جاتا ہے مگر ہاں جس کو رب قدر اس سے نکلنے کی توفیق مرحمت
فرمائے تو اس کے لیے کچھ دشوار نہیں کیونکہ کلیہ کامیابی اور مفتاح کامرانی اسی کے قبضہ
قدرت میں ہے ۔

گمراہوں میں نہاں ہیں خدا ہی سے تو ملیں
اُس کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

ہر مسلمان کا یہ ایمانی اور اخلاقی فریضہ ہونا چاہیے کہ وہ خدا کے بزرگ و بزرگ صالح طبع
اور اس کی عظمت و کبریائی کا ہر وقت، یقین و اذعان کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہر قول و عمل میں آپ کی اتباع و فرمانبرداری کو اپنے گلے کا زین مار بنائے
تاکہ وہ اپنی خلقت کا مقصد سمجھ سکے اور اسی محور کے گرد اس کے علم و عمل کی قوت گھومتی
ہے اور وہ کامل یقین کر لے کہ اس کے لیے رب حقیقی کے دروازے کے بغیر تہ قل و
انشاء کا کوئی اور مقام نہیں اور حضرت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جادہ مستقیم
حکم آئین اور شریعت غرا پر عمل کئے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے
شراب خوشبو ارم ہست، دیار مہربان ساقی
نار ویتج کس یارے چنیں یارے کہ مر دایم

تلاوت کتاب اللہ

يَسْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهِ

الآيٰتِ

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوفرائض
بیان کئے ہیں ان میں ایک فریضہ تلاوت کتاب اللہ بھی ہے، چونکہ آپ کے اولین مخاطب
اہل عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی، جو اپنے وقت میں فصاحت و بلاغت اور
نطق و بیان کے امام سمجھے جاتے تھے، وہ محض قرآن پال کی تلاوت ہی سے اس کا
مطلب و مفہوم سمجھ لینے لگے اور اس کی شہین اور ٹھوس دلائل سے لطف اندوز اور متاثر
ہوتے تھے قرآن کریم کا طرز ادا، اسلوب بیان اور ترغیب و ترہیب کا انداز اس قدر
سادہ اور موثر ہے کہ اس سے جس طرح ایک بڑے سے بڑا فلسفی محظوظ ہوتا ہے اسی
طرح اس کے دلکش بیان سے اونٹوں اور بکریوں کا چرواہا بھی اثریے بغیر نہیں رہ سکتا۔
اور جیسے ایک ماہر فلسفی اور عالم اس کے انداز بیان پر دلچسپی دیتے پر مجبور ہے اسی طرح
ایک سادہ بدو بھی اس کے ہند و موعظت اور تشوہ و تہلیل کے ہمہ گیر اصول پر صدائیں
کھینچ کر مجبور ہے۔ یہ قرآن کریم ہی تھا جس نے ہمارے جیسے مضبوط دلوں کو اپنی جگہ سے
ہٹا کر ان میں ایمان و اصلاح کا حکم بویا جس سے اعمال صالحہ اور اخلاقی فاضلہ کے
شیریں ثمرات نمودار ہوئے۔ قرآن کریم وہ اعلیٰ کامل کتاب ہے جس پر کوئی ٹیڑھی نہ بھی
بات نہیں۔ عبارت انتہائی سلیس و فصیح، اسلوب بیان نہایت موثر و سنگفہ اور قصیدم

بے حد متوسط و معتدل ہے جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ اس میں افراط و تفریط کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔ اس کا ہر مضمون چمکا ہے۔

قرآن کریم کے ذریعہ سے جب وحی الہی کی بارش ہوتی ہے تو تسلیم کرنے والوں کے دلوں میں ایمان کا پودا اگتا، پڑھتا، پھولتا اور پھلتا ہے اور اس کی بدولت رضائے الہی کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ قرآن پاک کی اس شیریں مقالی سے گھبرا کر کنز قریش یہ مغلوبہ باندھنے پر کمر بستہ ہو گئے اور بالآخر اس پر عمل کر ہی دکھایا کہ :-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا
لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا لَعَلَّكُمْ
تَخْلَوْنَ ﴿۴۰﴾ ختم السجدة (۴۰)

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ :- وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيُمْنُونَ عَنْهُ۔
پ ۳۔ الانعام۔ ۳ کہ وہ لوگوں کو قرآن پاک کے سننے سے منع کرتے ہیں اور خود دُور بھاگتے ہیں۔

اور صحیح روایات (مثلاً بخاری ج ۱ ص ۵۵۵) میں حضرت ابو بکرؓ پر پابندی کے واقعہ سے یہ ثابت ہے کہ کفار مکہ نے اہل اسلام پر یہ سنگین پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وہ بلند آواز سے قرآن کریم نہ پڑھیں کیونکہ ہماری عورتیں اور بچے اس سے متاثر ہوتے ہیں اور ہمارے آبائی دین میں رخنہ پڑتا ہے اس سے بڑھ کر شکست کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے؟ اور اس سے یہ بھی بخوبی آشکارا ہو گیا کہ وہ لوگ بھی جو اپنی فصاحت و بلاغت

میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، قرآن کریم کے دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ سے کبر قدر بدحواس ہو جانے لگے اور قرآنی حمید کی آیات کی مجسمانہ ادائے ان کے لیے کس قدر مشکلات پیدا کر دی تھیں :-

بڑھ گیا رنج و الم زائد سے زائد اور بھی
ہو رہا ہے مضطرب بعد سکون دل اور بھی

تزکیہ نفوس

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم فریضہ اور منصب تزکیہ نفوس بھی تھا یعنی کفر و شرک بدعت و معصیت، بد اخلاق اور بد کرداری اور ہر قسم کی انسانی اور روحانی آلائشوں سے مخلوق خدا کو بہترین تعلیم خدا و روحانیت اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ پاک کرنا اور دلوں کو مابھد مابھد کو مہتمل بنانا اور رشد و ہدایت کا راستہ بتانا اور پوری دل جمعی اور وسوسہ کے ساتھ ان کو غضب الہی سے ڈرا کر تعلق مع اللہ جوڑنے کی تلقین کرنا جہنم سے بچنے اور جنت کی دائمی راحتیں حاصل کرنے کا مؤثر سبق پیش کرنا حتیٰ کہ دنیا و آخرت کی تمام کامرانیوں اور شان و نمایاں حاصل کرنے کی ترغیب دینا آپ کا ایک عمدہ کام تھا۔

تزکیہ نفس کا یہ ارفع مقام قرآن و سنت کے عام مضامین پر عمل پیرا ہونے اور خصوصاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور فیض کی برکت سے حاصل ہونا تھا۔ جس قدر جس کی قابلیت اور استعداد ہوتی تھی اور جس قدر کسی کا شیشہ دل صاف ہوتا تھا اسی قدر اس میں معرفت الہی کا عکس اور نقش بڑو و منقش ہو جاتا تھا اور یہ بالکل ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو آپ کی مبارک صحبت میں دل کی جو صفائی

چند لوگوں میں حاصل ہوتی تھی، وہ بعد کو سالہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی کسی کو نصیب نہیں ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں سلف صالحین نے شرعی حدود میں رہ کر جو باریختیں اور مجاہدے اور ان کے طریقے اختیار کئے صحابہ کرام رضہ کو ضرورت اور حاجت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے بعد سے بھی شاید واقعت نہ ہوں حضرت حنظلہ بن ربیع الاسیدی رضی اللہ عنہ (پاکستان) کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آپ کی مجلس میں آپ کے وعظ و نصیحت کی برکت جنت اور مرضی گویا ان کو آنکھوں سے نظر آتی تھیں۔ مگر مجلس کے باہر ان کے دلوں کی کیفیت باقی نہ رہتی تھی۔ بعض صحابہ کرام رضہ کو اس وجہ سے منافق ہونے کا شبہ ہوا مگر آپ نے فرمایا کہ یہ نفاق نہیں ہے۔ (مجلس ج ۱ مشکوٰۃ ص ۱۹۷ عن مسلم)

تعلیم کتاب

اگرچہ صحابہ کرام رضہ اہل زبان تھے اور اکثر و بیشتر مضامین کو وہ نفس تلاوت ہی سے سمجھ لیتے تھے مگر بعض اوقات خاص مواقع میں اس کی حاجت اور ضرورت بھی پیش آتی تھی کہ آپ قرآن کریم کی اصلی مراد اور صحیح مفہوم کو بیان اور متعین فرما کر ان کے تردد اور شبہات کا ازالہ فرمادیا کرتے تھے، اس کی متعدد مثالیں کتب حدیث اور تفسیر میں موجود ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ جن لوگوں نے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہ ملایا تو انہی لوگوں کو امن نصیب ہوگا اور وہی ہدایت یافتہ ہوں گے اس پر صحابہ کرام رضہ نے اس کے اصل مطلب اور مراد کو نہ سمجھتے ہوئے برائے تسبی یہ اشکال پیش کیا کہ پھر تو ہماری خیر نہیں ایسا نہ دیکھو۔ ہم میں ایک کون ہے جس نے ظلم نہیں

کر یا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ ظلم سے وہ ظلم مراد نہیں جو ظلم ہو بلکہ اس مقام پر ظلم سے شرک مراد ہے جیسا کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (پاکستان) بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضہ کو باوجود اہل لسان ہونے کے اور رمز شناس رسول ہونے کے جن کے دلوں کو آپ کے فیض صحبت سے خوب جلا

نصیب ہو چکا تھا، بسا اوقات اس کی ضرورت پیش آتی تھی کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم

ان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھاتے، تب ان کو وہ سمجھ میں آتا تھا اور آپ کے

سمجھائے بغیر وہ اصل مطلب سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔ جب صحابہ کرام رضہ کو تعلیم اور تعلم

کتاب کی حاجت درپیش ہوتی تھی تو بعد کے لوگ کیونکر احادیث رسول صلی اللہ علیہ

سلم اور صحابہ کرام رضہ اور سلف صالحین کی تعلیم کے بغیر قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھ

سکتے ہیں؟ اور خصوصاً زمانہ حال کے متفسر کہ نہ تو زبان عربی، نہ ماحول اسلامی، نہ

صورتیں اور شکلیں اسلامی اور نہ اخلاق و کردار اسلامی، محض قلم اور ادب کے زور سے

مفسر بن بیٹھا اور یہ دعوے کرنا کہ قرآن کریم کی صحیح ترجمانی اور عمدہ تفسیر بس ہم ہی کر سکتے

ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے جنون اور سواد کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور ایسے لوگوں نے خدا تعالیٰ

کی مظلوم کتاب کی ایسی کھلی تحریف کا ارتکاب کیا اور مطلب و مراد کو ایسا بدلا و سرخ

کیا ہے کہ یہود کے بھی انہوں نے کان نہ ڈالے جو فن تحریف کے ماہر اور مشاق تھے۔

نعوذ باللہ منہ نہ حمل ہے نہ حمل کا کوئی دیوانہ برسوں سے

الم أجری ہوئی ہے منزل ویرانہ برسوں سے

الحکمت سے کیا مراد ہے؟

حکمت کے معنی دانائی، بصیرت، دین کی سمجھ اور ہر عمدہ کام کے آتے ہیں جس حکمت اور دانائی کی تعلیم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اور اس مقام پر حکمت کے مراد بتصریح مفسرین کرام رحمہ اللہ عظام سنت ہے۔ چنانچہ عمدۃ المفسرین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۲ھ) پہلے پارے کی تفسیر کرتے ہوئے الحکمة کا معنی اور تفسیر یوں نقل کرتے ہیں کہ:-

الحکمة یعنی السنة قاله الحسن حکمت سے مراد سنت ہے جیسا کہ امام شافعی وقتادة و مقاتل بن حیان و ابو قتادة و مقاتل بن حیان و ابو مالک و غیرہ نے بیان کیا ہے۔

اور امام اہل سنت و مقتدائے ملت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ الحکمة السنة (بحوالہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۴) حکمت کے مراد سنت ہے۔ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۰ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:-

والحکمة هي السنة باللفظ التلغ حکمت سے سلف صاحبین کے اتفاق (کتاب المروم ص ۹۷) سے سنت مراد ہے۔

جس طرح کتاب اللہ منزل من اللہ ہے، اسی طرح حکمت، سنت اور حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حرف متواتر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور حدیثیں سب متواتر نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں حدیث قدسی کے سوا باقی احادیث کے الفاظ اور تعبیریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہے۔ (المشرک بلکہ روایت بالمعنی ازہم) اور ان الفاظ کے معانی مضامین اور احکام منزل من اللہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-
وَأَنْزَلُ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ د اللہ تعالیٰ نے اُناری تجھ پر کتاب و سنت
الْحِكْمَةَ وَذَكَرَكَ مَاءً تَكُنْ تَعْلَمُ ط اور تجھ کو اُس نے وہ باتیں سکھائیں جو تیرے
كَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ○ جانتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا فضل تجھ پر بہت
(پ ۵۰ النور - ۱۷) بڑا ہے۔

اس سے آفتاب نیروز کی طرح یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جس طرح کتاب اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اسی طرح حکمت اور سنت بھی منزل من اللہ ہے اور کتاب و سنت کے ذریعہ جو جامع شریعت، اور اکمل دین اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے، وہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل اور احسان ہوا ہے۔ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-
أَلَا أُنَبِّئُكَ أَنَّ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ خبر دار تجھے قرآن کریم بھی دیا گیا ہے اور اُس کے
الْحَيْثُ (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۶۷ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۹) ساتھ ہی اس کی مانند اور بھی عطا کیا گیا ہے
اور اسی مثله، معاً کا نام الحکمت، سنت اور حدیث ہے جس کو وحی نخی اور وحی
غیر متلو سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ تابعی رحمہ اللہ (المتوفی بعد ۱۰۰ھ) سے منقول ہے کہ:-
کان جبرائیل یُنزل علی النبی صلی جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن کریم آنحضرت
اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما یُنزل بالقرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر لاتے تھے اسی طرح سنت

دواری مکہ و فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۲۸) اور حدیث بھی لاتے تھے

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت کو مضبوطی کے ساتھ تمسک کرنے کا جو حکم ارشاد فرمایا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بیٹے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا ذُرِّيَّتِي مَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ
مَا أَنَا بِمُتَعَبٍ مِّنْ فُلَانٍ تَفَضَّلُوا
أَبْدَأُ كِتَابَ اللَّهِ وَسَيَّةَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَعَلَّمَ (الحديث) مترکج اصطلاح سنن البیہی ص ۱۱۰
کہ اے لوگو! بیشک میں تم میں دو چیزیں چھوڑ
کر رہا ہوں، اگر تم ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو
تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری
سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس سے زیادہ وزن دار الفاظ میں کتاب و سنت کی پابندی کے بارے میں آپ اور کیا ارشاد فرماتے؟ حجۃ الوداع سے بڑھ کر اور کس موقع پر فرماتے؟ اور ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ کی پاک مجلس اور مبارک محفل کے علاوہ اور کس سے ارشاد فرماتے؟ ایک طرف تو آپؐ نے کتاب اللہ پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ سنت پر پابند رہنے کی بھرپور جمع میں تاکید اور تلقین فرمائی اور دوسری طرف تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی میں وعید شدید ارشاد فرمائی، چنانچہ حضرت عائشہؓ (المتوفاة ۶۰ھ) سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھ قدم کے آدمیوں پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر لعنت برستی ہے آخر میں فرمایا کہ:-

وَالَّذِينَ لَمْ يَتَّبِعُوا (متحدکہ ج ۱) قَالَ الْحَاكِمُ (والدہبی ج ۱) ایک ان میں میری سنت کا تارک بھی ہے

باوجود ان دلائل کے کچھ علماء اور فریب خوردہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان سنت حدیث پر نہیں اور ہم اس کے ماننے کے باندہ نہیں ہیں (معاذ اللہ)

غرضیکہ بھولے آیت کویدہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم منرائض میں تلاوت آیات، تروکیۃ نفوس، تعلیم کتاب اللہ اور تعلیم حکمت و سنت بھی تھی۔ اور اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرما کر مومنوں پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اور آپ کی بدولت سارے جہان کو علم و اخلاق کے گراں باہر مونیوں سے منور کیا ہے۔ حتیٰ کہ عالم کا کوئی ساخطہ بھی آپ کی عمدہ تعلیم سے مستغنی نہیں ہے۔

کتا عالمگیر تھا تبلیغ الفت کوزوغ
گوشتے گوشے میں جہاں کے روشنی ہوتی گئی

ضلال مبین

قرآن مجید نے اپنے معجزانہ اور بیغناء الفاظ میں ایام جاہلیت کی پوری داستان اور روئے زمین پر بسنے والی اقوام کی اخلاقی پستی کا خاکہ بول کھینچا ہے۔ وَرَأَى الْكَاذِبِينَ قَبْلَ مَكِّيٍّ ضَلَّالٍ مَّبِينٍ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آفتاب نبوتؐ کے طلوع ہونے سے پہلے سارے جہان میں شب ظلمت تھی۔ دنیا کا چہرہ چہرہ ظلم و قباہت کا گوارہ تھا۔ بجز معدودہ چند نیک دل حضرات کے پوری سطح ارضی پر کہیں بھی اخلاق و محاسن کا وجود نہ تھا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تعلیم مفقود تھی۔ توحید خالص اور فکر آخرت عقائد تھی و شرافت و دیانت ناپید تھی،

مشرم و جیا کا فقدان تھا اور معایت اور نصیحت نابود تھی۔ عرب و عجم و چین و جاپان
ہندو سندھ، یورپ و ایشیا کوئی ملک غزائی حال سے مستثنی نہ تھا۔ مظلوم و مظلومان
ظلم و ستم اور مصائب و فوائب کے گراں بوجھ کے نیچے دب گیا تھا اور بزبانِ حال یوں کہتا تھا
مے
شطب تارکب و بیم موج و گردابِ چنینی حاصل
کجا دانند حال، ماسکب سارانِ ساحلِ رمل

متحدین اقوام

اُس وقت کی متحدین اور مہذب اقوام میں مصر و یونان اور روم پر فہرستہ میں
مگر ان کے ملل متحد، چاند اور تیاروں کی خدائی تھی اور انہی کے ناموں پر بے گناہ
انسانوں اور بے زبان جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ مٹی، سونے، چاندی
اور جواہرات کی پرستش اور پوجا عام تھی۔ توحیدِ خالص اور خدا پرستی کا لورہ تو نادول،
ویولوں، ستاروں، مجسموں، شہیدوں، دیویوں اور بزرگوں میں چھپ گیا تھا۔ استغنا
اور استعدا و نذریں اور مسجدے، کواکب و ہیاکل اور ثوابت و تیاروں کی نذر ہو گئے تھے
خدا کی اختیار و صفات غیر اللہ کو الٹ کر دیے گئے تھے (معاذ اللہ)۔ عقل و عذر
کو حجاب و رانِ احسان و انومان پر صدقہ کر دیا گیا تھا۔ بہت کدے اور صنم خانے تو آباد تھے مگر
دل کی اُچھڑی ہوئی بستی عرفان رب حقیقی سے نابہر تھی۔ اگر بگاڑ اور بغاوت تھی تو صرف
ایک پروردگار سے۔ اگر بے پروائی اور استغناء تھی تو خدا تعالیٰ کے سچے بیول سے۔
باقی تمام دنیا سے صلح و ماستی تھی، ان کی مغروس پیشینیاں شمس و قمر اور بحر و بر

کے سامنے تو جھکنے پر نازاں تھیں، لیکن خالق کائنات کے سامنے سجدہ ریز ہوتے سے غرق
اور ابا کرتی تھیں۔ وہ اپنے فلسفہ اور منطق، حکمت اور قانون سازی کی راہ سے اقوامِ عالم پر
اپنا سکہ تو جھکا گئے، پر اپنے دلوں میں محبت خداوندی اور اطاعتِ رسل کو جگہ نہ دی،
اور اس کے سوا رضائے الہی کس کو حاصل ہو سکتی ہے؟ مے
ترے در کے سوا ان کو کہیں سے کچھ نہیں ملتا
طلب ہے جن کو نفرت مانگے سے عار ہے مولیٰ

ایران کے مجوسی

ایران کی سلطنت اپنے دور میں ایک منظم حکومت اور سلطنت تھی اور زمین کے
بیشتر حصہ پر ان کا قبضہ اور تسلط تھا۔ کجگلاہ ایران کا شہرہ آفاق میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن
بایں ہر اقتدار و شہرت، اخلاقی و روحانی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان میں ایک گروہ نے
برعزم خویش نیک نیتی اور اخلاص سے بدی کو ختم کرنے کا منصوبہ اور طریقہ یہ اختراع کیا کہ
عزالت گوشہ نشینی اور ترک ازدواج کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ خود بخود نسل انسانی ختم ہو جائے
اور بدی کا اس طرح خاتمہ ہو کہ نہ ہے یا نہ ہے یا نہ ہے یا نہ ہے۔ دتاریخ غرر، اخبار الفرس ص ۵۵
از ثعلابی، طبع پیرس) گویا احساسِ کسری نے ان کو بھائے اصلاحِ حال کے بارغ دنیا کے
اجاڑنے پر آمادہ کیا۔ مگر جب تک باغبانِ ازلی کو یہ گلستان باقی رکھنا منظور ہے کون اس
کو اجاڑ سکتا ہے۔ کیونکہ موت تو وہی ہے جو منظورِ خدا ہو۔

اور مملکتِ ایران ہی میں ایک اور طائفہ جس کا پیشوا مزدک تھا قوم کی برتری اور برہنہ
کا یہ جذبہ اور ولولہ لے کر اٹھا کہ بدی کے اسباب بالعموم تین ہیں، زنانِ زر، زمین اس بیٹے

یہود

یہ ارباب علم اور اصحاب کتاب کا وہ تقدس مآب طبقہ تھا جو نہ صرف حضرت
عزیز علیہ السلام جبار اور ربان کو جملہ خدائی اختیارات سونپ کر ارباب بنائے ہوئے تھا بلکہ خود
بھی اس کامی تھا نہ حق اَبَدی اللہ و اَبَدی اللہ کا کہ ہم بھی خدا تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے
اور لاٹے ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ پروردگار عالم نے ہزاروں انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ
والسلام ان میں مبعوث فرمائے۔ انہیں اپنی کتابوں اور صحیفوں سے نوازا۔ ظاہری اور باطنی
حکومتیں مرحمت فرمائیں۔ جہانی اور دہائی لغتوں سے مالا مال کیا۔ سینکڑوں جتنی معجزات
سے ان کی آنکھیں سنبھکیں۔ قوی سے قوی دشمن پر بھی ان کو فستق و نصرت عطا کی
اور اپنے دُور میں بیشتر اقوام پر ان کو فضیلت عنایت فرمائی۔ لیکن جب ان کی بد قسمتی
اور بد اعمالی کی وجہ سے محسوس کا دُور شروع ہوا تو انہوں نے ہی کے کسی پہلو میں
کوئی کسر نہ چھوڑی، شرک و بدعت کو دین حق ثابت کیا اور خدا تعالیٰ کے معصوم رسولوں
اور نبیوں کے ناحق خون سے اپنے ظالم ہاتھ رنگیں گئے۔ کتب الہی میں تحریف لفظی و معنوی
کا سنگین جرم کیا اور حضرت نوح علیہ السلام پر بے لوثی اور برہنگی کا الزام عائد کیا۔ (تورات
پر پیدائش باب آیت ۲۱) اور بلا استعارہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے رات بھر خدا تعالیٰ
کی گفتنی لڑوائی۔ (درمیدائش باب ۳، آیت ۲۲ تا ۳۰)

حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں پر اپنے باپ کو شراب پلا کر اُن سے زنا کر کے
نسل کو باقی رکھنے کی انسانیت سوز حرکت ان کے سرخوئی۔ (پیدائش باب ۳، آیت ۳۰ تا ۳۱)
حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنی پڑوس کو زنا سے عاملہ کرنے کا اخلاق کُشِ فضل

پر نظریہ قوم کے سامنے پیش کرنا چاہیے کہ عورت و دولت کسی کی خاص نہیں اور یہ مرد
بندی کہ بعض عورتوں سے نکاح درست اور بعض سے حرام ہے قابلِ عمل نہیں جس
مرد کا جس عورت سے جی چاہیے نکاح کر سکتا ہے۔ اور نتیجہ ظاہر ہے کہ اس دل پسند
نظریہ کو مردوں اور عورتوں نے مانتا تھا (مزمع ص ۵۹)

پھر کیا تھا۔ باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو زنجیت میں لے لینا اور دل کی انگلیں
نکالنا اور دن رات رنگ ریلیاں مٹانا اور عیش کوشی کرنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ (مزمع ص ۶۰)
اور عوام تو کیا خواص اور بادشاہوں تک اس جیسا سوز حرکت میں آکر وہ تھے جن کے
لیے حسین ترین عورتوں اور شانہ زلیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ چنانچہ شاہ ایران یزدگرد ثانی
نے ستھ میں اپنی تخت جگہ اور نور نظر بیٹی سے عقد نکاح کیا اور بعض خانگی مصالح
کے پیش نظر اسے قتل کر دیا۔ (مزمع ص ۸۷)

اور اس بے حیائی کے باطل نظریہ نے بعض اہل عرب کو بھی متاثر کیا چنانچہ
لفیظ بن زرارہ نے جو ایک خالص عربی تھا اپنی بیٹی و ختنہ کو س سے نکاح کیا
تھا۔ (محاضرات ص ۱۳۱)

اس سے بڑھ کر وقاحت اور کھینگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ نہ ماں کا لحاظ ہو اور نہ
بیٹی کا، نہ دای اور نانی کا پاس ہو اور نہ پوتی اور نواسی کا، نہ بہن اور بھتیجی کا خیال ہو
اور نہ بھوپھی اور بھانجی کا، اور صدیوں اس جیسا سوز نظریہ پر عمل ہونا رہا جو انسانیت کی
روشِ پیشانی پر کھٹک کا بدھا دار غصہ اور شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ۔

منظور ہے کہ سیم تنزل کا وصال ہو

مذہب وہ چاہیے کہ زنا بھی حلال ہو

عائد کیا اور پھر اس کے خاوند کو ان کے معصوم ہاتھوں سے قتل کروا ڈالا۔ دم سمویل۔ باب آیت ۱۲۴) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف غیر معبودوں کی طرف مائل ہونے اور عورتوں کے عشق میں آلودہ ہونے ابدی کی قبیح اور مذموم حرکت منسوب کی۔ (اسلاطین باب آیت ۱۱۱)

الغرض خدا تعالیٰ کے معصوم غیروں پر وہ الزامات تراشے کہ الحیف والامان۔ یہود نے حدود النبی میں تصرف کی کہ ضعیفوں پر قانون لاگو کیا اور امیروں کو چھٹی دے دی (بخاری ج ۲ ص ۱۰۰) اور جم کے مسئلہ کا انحصار کیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۱)۔ سودی کا عبارت ان کا عزیز پیشہ تھا اور رہن ان کا مرغوب منتقل تھا، حتیٰ کہ مفلسوں اور ناداروں کی عورتوں اور بچوں تک کو رہن رکھنے سے نہ بچتے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵) معصوم بچوں کو دو چار روپے کے معمولی زیور کے لیے جان سے مار ڈالتے تھے (بخاری ج ۲ ص ۱۱۱) بازاروں میں عورتوں کی عصمت دری کرتے تھے (سیرت النبی ج ۴ ص ۲۴) از سید سلیمان نمونی اور ان کے مذہبی اور روحانی پیشوا ایک دینار اور اشرفی کے لیے غریبوں کے ساتھ مکرو خدا و اور امیرا پھیری سے باز نہ آتے تھے چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ قرآن پاک میں یوں آتا ہے:-

وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأَمَّنْهُمْ جَبَدْنَاهُمْ
لَا يُؤَدُّهُمْ أَلَيْسَ بِذُنُوبٍ عَظِيمَةٍ
قَاتِلُوا آلَ عَمْرٍاءَ (۸)

اور اشی تو اس قدر تھے کہ شاید ہی ان کا کوئی نظیر ہو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو فتح خیبر کے بعد مل کی پیداوار کا محفل بنا کر بھیجا تو یہودیوں نے

بطور رشوت ان کے سامنے عورتوں کے زیورات پیش کئے تاکہ وہ معمولی جودے کر ان کو چھوڑ دیں۔ مگر حضرت ابن رواحہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! اے گروہ یہود! تم میرے نزدیک خدا کی ساری مخلوق سے معوض تریں ہو لیکن معذنا میں تم پر ظلم کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ باقی جر رشوت تم نے پیش کی ہے تو اس کو واپس لے جاؤ۔ ہم حرام اور محنت کھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہود نے سنا تو بے ساختہ بول اٹھے کہ:-
فَعَالُوا جُبْحًا قَامَتِ السَّمُوتُ وَ أَسْمَانُ
الارض۔ (رموط امام مالک ص ۲۹۳) اور زمینوں کا نظام قائم ہے۔

الحاصل کہاں تک ان کی بد اعمالیوں اور بد کرداریوں کا ذکر کیا جاسے۔ کوئی قباحت اور بُرائی ایسی نہ تھی جس کو انہوں نے اپنے گلے کا مار نہ بنایا ہو اور کوئی نیکی اور شرافت ایسی نہ تھی جس کو درپردہ انہوں نے خیر باد نہ کہا ہو۔ ہاں البتہ ظاہری کے لیے کچھ برائے نام اخلاق اور مفیدِ مطلب اعمال پر وہ کار بند تھے تاکہ قوم کی طرف سے وظائف اور جاگیوں، تملکات اور مندرجات بند نہ کر دیے جائیں اور ان کے ظالم اور دوزخ نمابیت پر زور نہ پڑے اور ان کے مذہبی اور سیاسی مقتدا اس کی سعی اور کوشش کرتے تھے کہ ان کی گھناؤنی اور قابلِ صد نفرت زندگی کا رزق پر افراط ہو۔ مگر اس سے کیا حاصل؟ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ۔

اگر جو شسٹوں کا جب ہو کر تا ہے بے پردہ
ہوائیں خود بدل دیتی ہیں نقدِ یگشتاں کو

عیسائی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلنے والے نصرانی اور عیسائی جنہوں نے زمین و آسمان کی بہت سی باتیں جمع کیا تھا اور انجیل جیسی پسند و موغظت سے پر کتاب کے محافل اور مبلغ قرار پائے تھے۔ کچھ عرصہ تو اپنے آسمانی دین پر کار بند تھے مگر خواہش انسانی اور ابتداء کا اثر ان پر بھی غالب ہو گیا اور بالآخر وہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک تو وہی اٹھ تھا جو مذہب کے نام پر جہلا اور اُمرامہ سے خوب ٹوٹ ٹھوٹ کرتا اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت و ثروت کما کر لے کر لوہب اور عیاسی اور نفع آسانی پر اڑتا اور جتنی غلامی راہوں اور پادریوں کے دست و پاؤں پر رہتی تھیں، اتنی بادشاہوں اور بیٹوں کو بھی کبھی نصیب نہ ہوتی تھیں اور جن کی زندگی کا مقصد ہی زیستن برے خوردن معلوم ہوتا تھا (ملاحظہ ہو سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن کا مقدمہ ص ۲)

ایک مرتبہ ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے پادریوں کا ایسا ٹنک اور اخلاق سوز اختلاف و منقائد شروع ہو کہ حضرت ایک ہی دن میں ۱۲۷ آدمی کام لائے (بحوالہ مذکور) اس سے ان کی خُبت جاہ اور ہوس اقتدار کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور ان کی جنسی ناہمواری کا حال ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ ہلشیا نامی ایک فوجوان اور خوبصورت عورت درگاہ سکا پس آ رہی تھی کہ پادریوں نے اُسے پکڑا اور رہ نہ کیا اور سڑک پر گھسیٹا اور پھر بدنامی کے ڈرتے کلیسا میں لے جا کر پیسٹر کی با برکت گرز سے اس بے چاری کا خاکہ کیا اور بڈیوں سے اس کا گوشہ جُدا کر کے اس کی نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نندا تش کر دیا۔ (دیکھیں جلد ۱ ص ۳۲۱) مگر وقت کی وہ حسینہ عالم ان میں سے ایک ایک کے دل کو یہ کہتے ہوئے

سبلائی کہ دل نے تجھے مان لیا، تو شاید اس مظلوم کا یہ حشر نہ ہوتا اور ان مذہبی مندوں کے ہاتھوں اس کی یوں تحقیر و تذلیل اور امانت نہ ہوتی۔ مگر اُس نے اپنی جان عزیز کر اپنی عصمت و ناموس پر قربان کر کے باجی عمر تو لے کیلئے ایک اچھی مثال قائم کر دی کہ مری بربادیوں پر چلنے والے اب اس کے بعد تیرا امتثال ہے

عیسائیوں کا دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجائی فقرہ لاری اور لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے بوجھل کام سے مغلغلہ صی کی بیمن بھائی رہ نکالی کہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب سے کسر علیہ کی اختیار کر کے جھگڑوں میں راہبانت اور متفقہ ذمہ لے کر رہنے پر اکتفا کر لی اور وہ دختروں کے پتے اور جڑی بوٹیاں لکھا کھا کر اپنا وقت پاس گزارتا اور بعض نے بیٹھ اور بکری کے دودھ پر گزارا وقت کی اور بخیاں خریدیں اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور رضا حاصل کرتا لیکن وہ اپنی ان گناہم خانقاہوں اور زادیہ خمول میں پڑے ہوئے سجادوں پر راہبانہ ضرروں اور مریطہ نعموں کی دھن سے بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ دنیا کی حالت بجائے سنورنے کے اور بگاڑ گئی۔ یہاں تک کہ خود ان کے اہل و عیال بھی بدی اور بدحقیقتی کے بھنور میں الجھ کر رہ گئے اور ان کے غریب و اقارب اور اہل دمانہ برائی کے دلدل میں پھنس گئے اور ضلالت و گمراہی کے ایسے عین گڑھے میں جا پہنچے جہاں سے ان کا نکلنا امر محال ہو کر رہ گیا اور یہ راہب و صوفی اپنے گرجوں اور خانقاہوں میں رہبانیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے اور مختصر جلد کشینوں میں عمریں صرف کر دیں اور اس کی فکر اور خیال ان کو مطلقاً نہ رہا کہ قوم اور اہل و عیال پر کیا دینت رہی ہے اور ان پر بد اعمالی اور بد اخلاقی کے سیاہ اور گھنگور بادل کس طرح چھائے ہوئے ہیں اور ظلم و عدوان کی بھیلیوں نے کس طرح ان کے غریب انانیت کو جلا کر خاک سیاہ

کریا ہے اور خواہشات نفسانی کا ان پر کس طرح استیلا ہے۔ ان راہبوں نے ان تمام
مخالفات سے انحصار کر کے صرف اپنی مخالفت ہوں اور جبر و مل کو محفوظ رکھا۔
یہ شاخ گل پہ زم زموں کی دھن زراشتے ہے
نیشمنوں پہ بحسیوں کا کارواں گزر گیا

اہل ہند

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وہ بابرکت زمین ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا
آسمان سے نزل ہوا تھا۔ گویا اس لحاظ سے ہندوستان کی زمین وہ اشرف قلعہ ہے جس کی
سب سے پہلے نبی کے مہاکم قدموں نے روندنا جس پر ہزار سال گزر چکے تا آخر نبی آخر الزمان
کی بعثت کا دور نزدیک ہوا۔ اس وقت سرزمین ہند میں بدکرداری اور اخلاقی پستی اور ذلت کا
یہ عالم تھا کہ مندروں کے محافظ اور مصعبین قوم باخلاق کا سرچشمہ تھے، جو ہزاروں اور لاکھوں
ناآزمودہ کارگوں کو مذہب کے نام اور شیعہ بازی کے کیشوں سے خوب ٹوٹے اور مرنے کی حد تک
تھے۔ (آر۔ سی۔ ویٹ۔ ج ۳ ص ۲۸) راجوں اور مہاراجوں کے محلات میں بادہ نوشی کثرت سے
راج پتی اور دنیاں حالت خمار میں جامہ عصمت و ناموس اُتار ڈالتی تھیں۔ (ایضاً ص ۲۹)
سرکوں اور شاہراہوں پر آوارہ گرد اور جہلم پیشہ افراد کا ہر وقت مجمع لگا رہتا تھا۔
(ایضاً ص ۲۹)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی شریف انسان اور خصوصیت سے باحیا
عورتوں کا دامن سے گزرنے والا جان سے کم نہ تھا اور ہر وقت جان و عزت کا خطرہ
درپیش رہتا تھا۔ دیوداسیوں اور عورتوں کی بد اخلاقی اور ہنسی جنون کی دل سوز حرکات
اور حالت پڑھنے اور سننے سے بھی شرم محسوس ہوتی ہے اور کوئی شریف اور باحیا انسان ان

کو پڑھنے پر اپنے نفس کو اتار دہ نہیں پاتا۔ (الذکر کہ دل پر جبر کر کے پڑھے تو بات اور ہے۔
ملاحظہ ہو سفرنامہ ابو زید رحمہ اللہ اور احسن تفاسیم مقدسی رحمہ اللہ ص ۲۸)

جو اس حد تک رائج تھا کہ سونے اور چاندی کے سکے اور زیورات کا تو کیا عورتیں
بھی جوڑے میں باری جاتی تھیں اور ازدواجی تعلقات میں ایسی بے راہ روی اختیار کر لی
گئی تھی کہ ایک ایک عورت کے کسی کبھی شوہر ہوتے تھے اور ان کی روحانیت کا یہ حال تھا
کہ بعض فرقوں میں عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے ان کی شرمگاہوں کی پوجا
کرتے تھے۔ (ستیا رتھ پرکاش سمولاس گیارہ ص ۳۶ طبع لاہور) شاید وہ یہ خیال کرتے ہوں
گے کہ شرمگاہ ہی دنیا کی جڑ اور منبع نسل انسانی ہے، لہذا اس بابرکت اور کثیر المنفعت
چیز کی پوجا کیوں نہ ہو؟ اور ایسے مردوں اور عورتوں کے ان کے نزدیک خاص العاقب
ہوتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

”اور جب کسی عورت یا دیشیا کو یا کسی مرد کو ننگا کر کے اور ان کے ہاتھ میں تلوار
دے کر ان کی جائے سنانی کی پرستش کرتے ہیں تو عورت کا نام دیوی اور مرد کا نام مہادیو
رکھتے ہیں“ (ستیا رتھ پرکاش ص ۳۶)

شوہر کے مرنے پر بعض عورتوں کو خود ان کے باپ اور بھائی اعزہ و اقارب زندہ
نذر آتش کر دیتے تھے اور اس شیعہ کارروائی کو اپنی اصطلاح میں وہ سستی کہتے تھے اور
اس کی حکمت اور فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ یہ عورت اپنے خاوند کے خرق کو گوارا نہیں
کر سکتی اور اس کی محبت و الفت میں اپنی جان عزیز کو اس پر قربان کر دینے کے لیے
بطیب خاطر رضا مند ہے۔ ممکن ہے بعض شوہر یہ سر عورتیں اس قومی اور آبائی رسم
کی وجہ سے اُس کو قربانی ہی تصور کرتی ہوں مگر جی الوسع موت کو کون پسند کرتا ہے؟

ان کی اس ظلمت نہ رحم کا بعض مسلمان اور خدا پرست صوفی شاعروں نے بھی تذکرہ کیا ہے
حضرت امیر خسرو یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

خسروا در عشق بازی کم زہند وزن مباحش
کال برائے مردہ سوز و زندہ جان غریشتن

اور جناب بیدل پشاوری یوں کہتے ہیں کہ

باتو میگیم مباحش اے سادہ دل ہند و پسر
در طریق جال سپاری کم زہند و مخسر

اور برہمنوں نے اپنی قلبی تسکین اور سہولت کے لیے یہ چند نفس پسند قوانین وضع کئے
اور تراشے تھے۔

(د) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزا
موت نہیں دی جاسکتی۔

(ب) کسی اونچی ذات کا مرد اگر کسی نیچی ذات کی عورت سے زنا کرے تو کوئی عرج نہیں۔

(ج) کسی بودھ راہب تک کی عصمت دری کی سزا میں معمولی جرمانہ کافی ہے۔

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے اور ہاتھ لگا دے
تو اس کی سزا موت ہے۔

(۵) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضاء

کاٹ دیے جائیں۔ اور اگر اس کو گالی دے تو اس کی زبان قطع کر دی جاتی ہے اور اگر اسے

تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیئے۔

(دارسی۔ دت کی قدیم ہندوستان ص ۲۷۷)

یہ اصول و ضوابط اور قوانین تھے۔ اہل ہند کے جس میں اچھوت اقوام کے لیے خیر خواہی
کا ادنیٰ جذبہ اور ان کی ہمدردی کا ایک حرف بھی موجود نہ تھا۔ جو زبان حال شاید برہمنوں
کے ان غدا ساختہ ملکی اور قومی قوانین پر آئینہ بکھرتے ہوئے یہ کہنے ہوں گے۔

تم جو جیتے ہو نہ شستہ وہ فوشتہ کیا ہے؟

جس میں ایک حرف وفا بھی کہیں نہ گونیں

اہل عرب

ان میں بیشتر خاندان حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں
سے تھے جن کو آبا و اجداد کی طرف سے بہترین خالص توحیدی دین عطا ہوا تھا اور خاندان
قریش خصوصیت سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کی اسی برتری کی وجہ

سے وہ کعبۃ اللہ اور مسجد الحرام کے متولی اور پاسبان قرار پائے تھے۔ عرصہ تک

وہ صحیح دین پر قائم تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقسیم

تین سو سال قبل ایک شقی ازلی عمر و بن لُحی نے عرب میں بت پرستی رائج کر دی

اور لوگ اپنی جہالت اور عاقبت نماندیشی کی بدولت بت پرستی اور شرک کے

فلمک جرم کے مرتکب ہو گئے۔ ہر قبیلہ اور خاندان کا معبود اور بت متعان اور

حاجت و اوجہ تھا۔ گھر گھر بت پرستی تھی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے پاک گھر کعبۃ اللہ

میں انہوں نے تین سو ساڑھے بت نصب کر دیے تھے جن میں خصوصیت سے حضرت

ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے

بجائے قابل ذکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس پاک گھر کو انہوں نے معاذ اللہ صنم کہہ

بنارکھا تھا اور مذہبی اعتبار سے وہ یہاں تک جزوی زندہ ہو گئے تھے کہ قبر پیش کے علاوہ باقی لوگ بالکل برہنہ اور مادر زائونگے ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ عورتیں بھی معمولی سا چھتڑا اپنی سرنگھ پر باندھ دیتی تھیں اور بانی ہمد تن برہنہ ہو کر طواف کرتیں اور ساعرانہ دستانہ آواز سے یہ گاتی جاتی تھیں۔

اليوم يبدو بعضه او كله

فما بد امنه فلا احله (مسلم ج ۲ ص ۲۲۷)

یعنی آج کے دن بدن کا کچھ حصہ برہنہ ہوا سب اس وقت بھی ظاہر ہو میں اس کو کسی کے لیے حلال نہیں سمجھتی۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور ہدایین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اثر آگیا تو آپ نے اعلان کروایا کہ کوئی مشرک اور برہنہ کعبۃ اللہ کا طواف نہیں کر سکتا۔ اور سجدہ میں تو باقاعدہ کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ کی قیادت میں اس کا اعلان ہوتا رہا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۲۸)

اہل جاہلیت کچھ اس قسم کے عجائب پسند، ضعیف الاعتقاد اور وہم پرست ہو گئے تھے کہ ان کے واقعات پڑھ کر کوئی متین اور سنجیدہ آدمی تعجب اور حیرت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سانپ کو اس ڈر کے مارے وہ نہ قتل کرتے تھے کہ اس کا جوڑا ہمیں آکر ڈسے گا اور ہلاک کر دے گا۔ ان کے اس باطل غمذیہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک کر دیا کہ یہ فرمایا کہ ۱۔

اقتلوا الحيات کلھن فمن خاف ثاوھن سب سانپوں کو قتل کیا کہ جو شخص نے ان کے انتقام کے ڈر سے انکو چھوڑ دیا تو وہ میرا نہیں ہے (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۷)

اور وہ یہ خیال بھی کرتے تھے کہ جب کسی مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی روح ہمارے اور اُلوہن کے درمیان چماتی ہے اور ان کا یہ زعم بھی تھا کہ بیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جو غلبہ بھوک کے وقت کاٹ کھاتا ہے اس لیے وہ بھوک کے وقت بلا اختیار حلال و حرام اور بدول تمیز ملبہ و خبیث جو کچھ بھی مٹا کھا جاتے تھے۔ اور پرندوں سے شگون لیتے تھے اور ان تمام بے اصل اوہام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے روک دیا کہ ولا طیور ولا حامة ولا صغر و بخاری ج ۲ ص ۲۹۱

ان کی وہم پرستی کا اندازہ کیجئے کہ جب ان کے پاس اونٹنی دس بچے جن حکمتی تو پھر اس کو چھوڑ دیتے اور اس سے کوئی کام نہ لیتے اور جب ایک ہزار اونٹ ان کے پاس جمع ہو جاتے تو ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ لیتے تھے تاکہ نظر بد نہ لگے پائے۔ جب سفر پر جاتے تو کسی درخت پر گرہ لگائیں تاکہ ان کی غیر حاضری میں بیوی اگر غیبت کرے تو بہتہ چل جائے۔ اس کی حکمت تو وہی سمجھتے ہوں گے کہ درخت کی شاخوں وغیرہ کی گرہ اور بیوی کی خیانت کا کیا ربط و تعلق ہے۔ اور اگر کہیں راستہ بھول جاتے تو گرہ لٹا دیتے تاکہ راستہ معلوم ہو جائے۔

(بلوغ العرب و اطوار العرب)

ضعیف الاعتقاد میں ان کا یہ نظریہ پیدا ہو گیا تھا کہ جو شخص عزتی کو کالی دے وہ بھڑ اور خدام کی بیاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (مسند دارمی ص ۵۹)

ظلم اور درندگی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ زندہ اونٹوں اور دنبوں کی کمر لائیں اور پکیاں کاٹ کاٹ کر کھا جاتے تھے اور زندہ جانوروں کو درختوں سے باندھ کر

تیراغزائی کی مشق کیا کرتے تھے۔ لڑائی میں عورتوں کا پیٹ چاک کر دینے اور مقتولوں کی ناک کاٹ دینے اور دشمن کی کھوپڑی میں شراب پینے اور دشمن کی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑا دوڑا دینے اور اس ظالمانہ طریقے سے ان کی جانیں ضائع ہو جاتیں۔ دشمن کو قید کر کے آب و دانہ بند کر دینے اور اس فعل کو وہ صبر کہتے تھے۔ لڑائی کے موقع پر دشمن کو آگ میں جھونک دیتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو وراثت کے جائزہ اور فطری حق سے محروم کر دینے تھے لڑائی میں جب عورتیں قابو آ جاتیں تو اگر صلح بھی ہو جاتی تب بھی ان کے ناموس بالکل برباد ہو چکے ہوتے۔ خون کو حجاجا کر اس کی قاشیں تراش تراش کر کھالیتے، مردہ جانوروں کو کھا جاتے۔ چمڑے کو بھون کر کھا جاتے اور اس قسم کی بے شمار خرابیاں اور بدیاں ان میں رائج تھیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی ر (المتوفی ۱۳۶۳ھ) نے سیرت النبی جل جلالہ میں اس پر کافی بحث کی ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مجاہدین اسلام جب کسریٰ کے مقابلے میں نکلے تو کسریٰ کے ایک فوجی جرنیل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان مسلمانوں سے دریا فیت کرے کہ ان میں سے ایک آدمی میرے ساتھ گفتگو کرے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ نے فرمایا کہ پوچھ کیا پوچھتا ہے۔ اُس نے تحفہ کے لہجہ میں کہا کہ تم کیا ہو؟ فرمایا کہ۔

عن ناس من العرب کتافی شقواء ہم عرب کے لوگ ہیں جو انتہائی بد حالی اور شدید و بدمعاش و شدید نمع الیلد بے حد مصیبت میں مبتلا تھے۔ مجھ کو کی وجہ

واللعی من الجوع و فلبس الرمیر ہم چمڑے اور کھجور کی گٹھیاں پہنا کرتے تھے اور
والسعد و لعبد الشجر و المعرفیت ہم اونٹوں کی پٹم اور بکریوں کے بالوں کا لباس
نحن کذا الذ اذ بعث رب السموات پہنتے تھے اور درختوں اور پتھروں کی عبادت
و دعب الودعین الینانین من افننا کیا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں آسمانوں اور زمینوں
نعرت اباه و امه المیت (بخاری ج ۱ ص ۲۴۷) کے پروردگار نے ہم میں ہماری ہی جنس سے
ایک نبی مبعوث کیا جس کے باپ اور مال کو ہم بخوبی پہچانتے ہیں۔

نوٹ:- درختوں اور پتھروں کی عبادت کا مطلب راقم کی کتاب "گلدستہ توحید" میں ملاحظہ کریں۔

تقدیر پر ایمان

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال و احکام پر ایمان لانا ضروری ہے اور جس طرح فرشتوں اور کاتبوں پر ایمان لانا لازمی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سارے نبیوں پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح حقیقہ تقدیر پر ایمان لانا بھی فرض اور نہایت لازمی ہے کہ دنیا میں جو کچھ غیر دسترِ راحت و کلفت، غرضی و غنی، موت و حیات، فقر و غنی، شاہی و گدائی، عزت و ذلت، بلندی و پستی، ایمان و کفر، بیماری و تندرستی، نیکی و بدی، اصلاح و اخلاص، طاقت و عسیان و غیرہ وغیرہ جتنے امور معرض وجود میں آتے ہیں، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین و آسمان کی خلقت سے

تقریباً پچاس ہزار سال پہلے ہی سے لوح محفوظ پر لکھے جا چکے ہیں۔

(مجموعہ ۲۳۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹)

اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-

وَلَا تَقُولُ كُنْ فَيَكُنْ ۚ إِنَّكَ قَدِيرٌ (۱۸۱) اور پیدا کی اس نے ہر چیز اور ہر چیز کو اس نے
(۱۸۱) الفرقان - خاص انداز اور تقدیر سے بنایا۔

اس سے ثابت اور معلوم ہوا کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انداز اور تقدیر سے پیدا کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں جب ایک اعرابی کی صورت میں لوگوں کو ان کا دین سکھانے کی خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے ایک سوال یہ بھی کیا کہ کیا ایمان کی چیز ہے؟ اور اس کے حدود کیا ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تشریح اور تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:-

وَتَوْمُنُ بِالْعَدَدِ كَلَّةٌ (مسلم ج ۱ ص ۲۹) اور تم ساری تقدیر پر ایمان لاؤ۔

اس سے واضح ہوا کہ تقدیر کو تسلیم کرنا ایمان کی جزو اور اس کی بنیاد ہے اور بغیر اس کے تسلیم کے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا مشہور تابعی حضرت یحییٰ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ:-

اِذَا لَقِيتَ اَوْ لَتَكَ فَاخْبِرْهُمَا فَاِنْ بَرِئَا مِنْهُمْ وَاِنْ هُمْ بِمِرْيَةٍ مِّنْكَ وَذَلِكَ يَخْلَفُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ اَوْ اَنَّ لَاحِدَهُمْ مِثْلَ بَرِيٍّ هِيَ - عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تو ان لوگوں سے ملے تو ان کو یہ بتادینا کہ بلاشبہ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

احد ذہبا فافقتنا ما قبل الله منه

اگر تقدیر کے منکرین کے پاس اُردو ہمارے جیسا بھی
حقاً یومئذ بالقدیر (مسلم ج ۱ ص ۲۹)

تو اللہ تعالیٰ ان سے اس کو قبول نہ کرے گا
اور تم کو وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور امت مسلمہ کا اس پر مطلق فیصلہ اور قطعی اجماع منقطع ہو چکا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا فرض اور نجات اخروی کے لیے لازمی ہے اور منکرین حدیث اور ان کے اگرچہ طلوع اسلام کا یہ باطل اور جاسوس نظر ہے کہ تقدیر کا مسئلہ ایمان کے جوہریوں کا عقیدہ ہے اور مسلمانوں نے ان سے یہ انکار کیا ہے، ایک سرسبز جھوٹ، صریح بہتان اور خالص افتراء ہے۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ مسئلہ تقدیر بڑا پیچیدہ اور مشکل مسئلہ ہے اور محض عقل ہی نہیں لیکن اس کے اشکال کی وجہ سے انکار کر دینا نرمی بے دینی اور خالص الحاد ہے۔ اختصار کے ساتھ اس کو یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ خالق کائنات نے اپنی وسعت و عظمت کی بناء پر پہلے ہی سب کچھ کر دیا ہے اور لوح محفوظ پر درج کر دیا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت ہماری دی ہوئی قدرت کے تحت اپنے کسب و اختیار سے یہ اور یہ کرے گا اور اس کسب و اختیار میں اس کو مختار قرار دیا گیا ہے اور اسی پر ثواب و عقاب اور رضا و ناراضگی مرتب ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ بالکل مجبور محض کو مکلف بنانا صرف کٹھن سلی قرار دے کر سزا میں دھکیل دیا گیا ہے۔ بقتل شخص سے

در میان فقر و دیا تختہ بندم کر دہ
باز میگوئی کہ دامن ترکمن ہشیا ربخش

آخرت پر ایمان

جیسے گزشتہ بالا عقائد پر ایمان لانا نہایت ہی ضروری اور مدبرِ نجات ہے اسی طرح بعثت بعد الموت پر ایمان لانا بھی از بس ضروری ہے کہ مرنے کے بعد قیامت اور برزخ کی تمام وہ کیفیات برحق ہیں جن کا ذکر قرآن کریم اور حدیث شریف میں آیا ہے اور آج تک امت مسلمہ ان کا اذعان و یقین کسفی ملی آئی ہے اسی طرح حشر اجداد پہل صراط، میدانِ محشر، جنت اور دوزخ کے تمام عقائد کو تسلیم کرنا مومن کے ایمان میں داخل ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس شفاعت و میزان کا مسئلہ اور عقیدہ بھی نفوسِ قطعہ اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے جن میں سے کسی ایک ثابت شدہ حقیقت کا انکار اور تاویل بجائے خود کفر ہے ان عقائد و مسائل کی بحث انشاء اللہ العزیز حصہ دوم میں آئے گی۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِهِ وَ اصْحَابِهِ وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ ۔

اَلْحَقُّرُ النَّاسِ
ابوالزہاد محمد رفیع از خطیب جامع گلگٹ